عبدالسلام خان صاحب مرحوم

آف پشاور

کے خودنوشتہ حالاتِ زندگی

عبدالسلام خان صاحب مرحوم
آف پشاور
کے خودنوشتہ حالاتِ زندگی

احمد اکیڈمی ربوہ
پرنٹر پبلشرز اینڈ بک سیلرز
حیات مارکیٹ گولبازار ربوہ

فہرست

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

والدِ محترم کے حالاتِ زندگی

میرے والد صاحب فرماتے ہیں خاکسار کے والد حضرت مولوی الیاس صاحب رحمۃ اللہ چارسدہ صوبہ سرحد کے باشندہ تھے۔ حضرت والد صاحب کے قبول احمدیت کی وجہ سے چارسدہ اور مضافات میں ایک سخت شور برپا ہوا۔ علماء نے ان کے قتل کے فتوے دیئے۔ حاجی صاحب آف ترنگ زائی جو کہ انگریزوں سے لڑائی کرنے میں مشہور ہوئے تھے ان کی موجودگی میں ان کے سامنے عید گاہ چارسدہ میں مولوی عبدالجلیل سے ایک مختصر سا مناظرہ بھی ہوا تھا۔ انگریزوں نے اس بات سے گھبرا کر کہ یہ شورش تمام صوبہ سرحد میں نہ پھیل جائے۔ حضرت والد صاحب کو صوبہ بدر کر دیا۔ صوبہ بدر کے منسوخی کے احکامات کے لئے جب خواجہ کمال الدین صاحب چیف کمشنر صوبہ سرحد سے ملے تو چیف کمشنر نے ان کو کہا کہ ہم ایک شخص کو صوبہ میں رکھنے کی وجہ سے تمام صوبہ سرحد میں آگ نہیں لگا سکتے۔

حضرت والد صاحب صوبہ سرحد سے ہجرت کر کے پہلے کوئٹہ بلوچستان اور پھر مستونگ ریاست قلات تشریف لائے۔ اور وہاں پر

1946ء تک رہے۔

حضرت والد صاحب بہت بڑے عالم تھے قرآن پاک اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتابوں پر بڑا عبور حاصل تھا۔ بہت متقی اور پرہیز گار انسان تھے جماعت کے آنریری مبلغ تھے اور صبح وشام ان کی مجلس میں دعوۃ الی اللہ ہوتی تھی۔ مستونگ میں نماز جمعہ ہمارے مکان پر ادا کی جاتی تھی۔ مستونگ میں چند احمدی ملازمین تھے۔ حضرت والد صاحب خطبہ جمعہ پڑھاتے اور نماز جمعہ کی اقتدا فرماتے۔

میری پیدائش

میرے والد صاحب ابتداء میں مستونگ میں محلّہ زرخیل میں رہتے تھے جوکہ بلوچ علاقہ میں پختونوں کی بستی تھی اور میری پیدائش 1915ء میں محلّہ زرخیل میں ہوئی تھی۔ میں اپنے والدین کی اولاد میں سے ساتویں نمبر پر ہوں اور لڑکوں میں چوتھے نمبر پر ہوں۔ جن کی ترتیب یہ ہے۔ عبدالحیٔ خان مرحوم بی بی فاطمہ۔ بی بی کلثوم عبدالقیوم خان، عبدالجلیل خان، بی بی صالحہ، عبدالسلام، عبدالقدوس خان، بی بی خدیجہ، بی بی حاجرہ، عبدالرحمٰن، بی بی عائشہ اور بی بی جمیلہ۔

میرے والد صاحب بتلاتے تھے کہ میری پیدائش کے وقت میری

والدہ کی حالت بہت خراب ہوگئی۔ ایک اَن پڑھ دائی کے علاوہ کوئی لیڈی ڈاکٹر مستونگ میں نہ تھی۔ حالت اتنی خراب ہوگئی کہ امید زیست تقریباً ختم ہوگئی۔ حضرت والد صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے دو رکعت نفل پڑھنی شروع کی اور سجدہ میں رو رو کر دعائیں کیں۔ میں سجدہ میں ہی تھا کہ میں نے دیکھا کہ آسمان سے ایک نور اُترا اور سیدھا تمہاری والدہ کے کمرے کی طرف چلا گیا اور تھوڑی دیر بعد دائی نے اطلاع دی کہ مبارک ہو خدا تعالیٰ نے لڑکا عطا کیا ہے۔ اس خبر کے سننے سے میں دوبارہ سجدہ شکر ادا کرنے کے لئے سجدہ میں چلا گیا۔ حضرت والد صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے تمہارا نام عبدالسلام رکھا ہے کہ تم سلامتی دینے والے خدا کی طرف سے ایک عطا تھے۔

اس نزولِ نور کی تعبیر میں اس طرح سے سمجھتا ہوں کہ میرے دو بیٹے ہیں اور دونوں کو اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل وکرم سے خاندان حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام میں سمویا۔ عزیزم حامد اللہ کے گھر میں عزیزہ امۃ الحیٔ آئی جو کہ حضرت ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب کی اکلوتی بیٹی، حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پڑپوتی اور حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہؓ کی نواسی ہے۔ دوسرے بیٹے حبیب اللہ خان کے گھر عزیزہ ماہم آئی

جو کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی نواسی اور حضرت سیدہ امۃ الحفیظؓ کی پوتی ہے۔ الحمد للہ۔

ابتدائی تعلیم اور شادی

جب ہم سکول جانے کے قابل ہوئے تو میں اور برادرم عبدالقدوس خان ازخود سکول داخلہ لینے گئے۔ سکول قریب ہی تھا۔ میرے چھوٹے بھائی 1950ء میں بطور پروانشل امیر جماعت احمدیہ صوبہ سرحد مقرر ہوئے جو بہشتی مقبرہ ربوہ میں آرام فرمارہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو غریقِ رحمت کرے۔ ہم دونوں بھائیوں کی آپس میں بہت محبت تھی۔ شادیاں بھی ایک ہی گھر میں ہوئی تھیں۔ میری اہلیہ بی بی عائشہ بنت خواص خان ہیں اور اسی طرح سے عبدالقدوس خان کی اہلیہ بی بی عائشہ کی چھوٹی بہن ہیں اور ان دونوں بہنوں کی بھی آپس میں بہت محبت ہے۔

بھائی کی محبت

1976ء میں جب میں ملازمت سے ریٹائر ہوا تو برادرم عبدالقدوس خان نے بھی ازخود ریٹائرمنٹ لے لی تاکہ ریٹائرمنٹ کی وجہ سے میں تنہائی محسوس نہ کروں۔ پشاور میں ہم دونوں بھائیوں نے مکانات بھی اکٹھے بنائے ہیں اور میرے مکان پر حلقہ یونیورسٹی کے احباب نماز

جمعہ اور دیگر نمازیں پڑھتے ہیں اور جماعتی اجتماعات بھی اس حلقہ کے میرے مکان پر ہوتے ہیں اوراسی مدعا کے لئے میں نے اپنے مکان کا ڈرائنگ روم اندازے سے بہت بڑا بنایا تھا۔

مستونگ میں جس سکول میں ہم داخل ہوئے تھے وہ لوئر مڈل سکول تھا اور مستونگ کا یہی واحد سکول تھا۔ سکول ہیڈ ماسٹر، ماسٹر شمس الدین صاحب تھے جو کہ پنجاب کے رہنے والے تھے اور انگریزی نہیں جانتے تھے۔ غالباً پرائمری پاس تھے۔ انکا بڑا رعب تھا۔ لڑکوں کو بدنی سزا بہت دیا کرتے تھے۔ جس کی وجہ سے عموماً لڑکے سکول سے غیر حاضر ہو جاتے تھے۔ اس پر مولوی شمس الدین صاحب چند لڑکوں کو ان لڑکوں کے گھر بھیج دیتے تھے اور لڑکے اس غیر حاضر لڑکے کو زبردستی سکول لاتے تھے جس کو بعد میں بدنی سزا بھی ملتی تھی۔

مستونگ میں ایک دستور بنا ہوا تھا کہ ہر سال موسم بہار میں چیف کمشنر صاحب ریاست قلات کا دورہ کرتے اور مستونگ میں وزیر اعظم قلات کی طرف سے ان کی بڑی ٹی پارٹی ہوتی۔ چیف کمشنر کے آنے پر مستونگ شہر کو دلہن کی طرح سجایا جاتا تھا۔ سڑک پر دورویہ کاغذکی جھنڈیاں لگائی جاتی تھیں۔ محرابیں اور دروازے بنائے جاتے تھے۔ جھنڈیوں کے

بنانے کے لئے ہیڈ ماسٹر صاحب موصوف ہر سال چند دن کے لئے سکول بند کر دیتے تھے اور سکول کے تمام طلباء کو جھنڈیاں بنانے پر لگا دیتے تھے۔ یہ قطعاً خیال نہ ہوتا تھا کہ اس طرح سے لڑکوں کی عمر اور پڑھائی ضائع ہو رہی ہے۔

ہمارے سکول میں دینیات کے استاد اخوند خیر محمدؒ صاحب تھے۔ جو کہ ایک معمرّا تھے۔ ان کے پاس ایک جیبی گھڑی ہوتی تھی جو چند غلافوں میں چھپائی ہوتی تھی۔ وقت دیکھنے کے لئے وہ بڑی احتیاط سے جیب سے گھڑی نکالتے اور پوری احتیاط سے غلاف ہٹا کر گھڑی کے ہندسوں پر انگلی پھیرتے اور وقت معلوم کرتے اور بعض اوقات غلط ٹائم بتلا دیتے تھے۔

اخوند صاحب کے ذمہ سکول میں چھٹی کرانے کے لئے گھنٹی بجانے کے فرائض بھی شامل تھے۔ بعض دفعہ لڑکے اخوند صاحب جب سوئے ہوئے ہوتے تھے سکول کی گھنٹی بجا دیتے تھے اور اس طرح سے سکول میں چھٹی ہو جاتی تھی اور اخوند صاحب سوئے ہوئے ہوتے۔ جب وہ جاگ اٹھتے تھے تو ان کو علم ہوتا کہ سکول میں چھٹی ہو گئی ہے۔

اخوند صاحب بڑے عجیب انسان تھے۔ کالی نسوار ناک میں ڈال کر اونگھ لیتے تھے اور کبھی کبھی بیچ میں جب شور زیادہ ہو جاتا تھا تو اپنا ڈنڈا

لے کر لڑکوں پر برس پڑتے اور بے تحاشہ مارنا شروع کر دیتے تھے یہ نہ دیکھتے کہ جرم کس لڑکے کا ہے۔

سردیوں میں سکول کی انگیٹھی میں آگ جلائی جاتی تھی۔ اخوند صاحب گہری نیند میں سوئے ہوتے تو لڑکے گاچنی جو کہ تختیوں پر ملی جاتی ہے۔ آگ میں ڈال دیتے تھے۔ جس سے پٹاخے کی طرح آوازیں نکلنی شروع ہو جاتی تھیں۔ اس پر بھی اخوند صاحب نیند سے جاگ اٹھتے اور لڑکوں کو سزا دینا شروع کر دیتے۔ اسباق کی پڑھائی کچھ بھی نہ ہوتی تھی۔ زیادہ تر وضو کا طریقہ اور تیمّم کا طریقہ صبح کے وقت بتلاتے تھے اور بس۔

چیف کمشنر صاحب جب مستونگ سے رخصت ہوتے تھے تو مبلغ دوسو روپیہ سکول کے بچوں کے لئے بطور مٹھائی دے جاتے۔ اس میں سے 3/4 رقم اُساتذہ آپس میں تقسیم کر لیتے تھے اور 1/4 کی مٹھائی منگوا کر بچوں میں تقسیم کر دیتے تھے۔ زمانہ سستا تھا۔ اس لئے ہر بچے کو جھولی بھر کر مٹھائی مل جاتی تھی اور یہ ہمارے جھنڈیاں بنانے کا ثمر ہوتے تھے۔

مستونگ

مستونگ ایک مختصر سا شہر تھا۔ جس میں تجارت تمام سندھی

ہندوؤں کے ہاتھ میں تھی اور ہندو کافی تعداد میں رہتے تھے۔ رہائش کے لئے ان کے جدا قلعہ نما محلے ہوتے تھے۔ دیوالی کے موقعہ پر چیدہ چیدہ ہندو مٹھائی کے تھال بھر کر ہمارے گھر لاتے اور اس دن ہمارے گھر عید کا سماں بن جاتا تھا اور یہ مٹھائی کافی دنوں تک کفایت کر جاتی تھی۔

کچھ عبدالقیوم سے متعلق

میرے بڑے بھائی عبدالقیوم خان نے 1932ء میں اسلامیہ کالج پشاور سے B.S.C کیا تھا اور سبی کے ہائی سکول میں سائنس ٹیچر لگ گئے تھے۔

ہم مستونگ میں چھٹی جماعت میں پڑھتے تھے۔ عبدالقیوم خان نے ہم دونوں بھائیوں کو مستونگ سکول سے نکال کر سبی ہائی سکول میں پانچویں جماعت میں داخل کرایا کیونکہ مستونگ سکول کی پڑھائی اچھی نہ تھی۔

1934ء میں عبدالقیوم خان کو داڑھ کی تکلیف ہوئی اور ایک ہندو ڈاکٹر کے غلط علاج سے داڑھ میں پیپ پڑ گئی جو بڑھتے بڑھتے T.B کی صورت اختیار کر گئی۔ عبدالقیوم خان کو کوئٹہ کے سول ہسپتال میں علاج کے لئے داخل کرایا گیا اور میں ان کے ساتھ ہسپتال میں بطور

تیماردار کے قیام پذیر تھا۔ عبدالقیوم خان کی انگلش بہت اعلیٰ تھی اور معلومات عامہ بھی بہت زیادہ تھی۔ ڈاکٹر ولیم سن سول سرجن جوان کا علاج کررہے تھے۔عبدالقیوم خان کے ساتھ ان کی اعلیٰ انگلش کی وجہ سے بہت محبت کرتے تھے۔ عبدالقیوم خان بہت نیک مخلص احمدی اوراپنے والدین کے انتہائی فرمانبردار تھے۔

بھائی کی وفات پر والد صاحب کا صبر

بہت جوانی میں ان کی وفات ہوئی۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ ان کوغریق رحمت کرے۔

عبدالقیوم خان کی وفات پر حضرت والد صاحب نے انتہائی صبر کا نمونہ دکھایا اورتمام افراد خاندان سے صبر کروایا۔ خودنہلایا اور جنازہ ہم نے گھر میں ہی پڑھا۔ قبرستان میں دفن کرنے سے پہلے فرمایا کہ چونکہ میں نے عبدالقیوم کا جنازہ پڑھ لیا ہے اس لئے آپ احباب کونماز جنازہ پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ البتہ رسول اللہ ﷺ کی ایک سنت پر میں عمل کرتا ہوں اور وہ یہ کہ جب حضرت ابراہیم فوت ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو بوسہ دیا اورفرمایا کہ ا[illegible]ن کر دو۔ میں بھی اس سنت پر عمل کرتے ہوئے عبدالق[illegible]ان کو بوسہ دیتا ہوں۔ اس کے بعد عبدالقیوم خان کی

مستونگ میں تدفین ہوئی۔

عبدالقیوم خان کی وفات پر انگریز ڈاکٹر ولیم سن سول سرجن کوئٹہ تعزیت کے لئے آئے۔عبدالقیوم خان کی وفات کے بعد حضرت والد صاحب نے ہمیں کوئٹہ کے سنڈیمن ہائی سکول میں داخل کرایا اور ہماری رہائش سکول کے بورڈنگ ہاؤس میں تھی۔کوئٹہ میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے لئے جدا جدا بورڈنگ ہاؤس تھے۔

بورڈنگ ہاؤس کی زندگی

میں بچپن سے نماز تہجد پڑھا کرتا تھا۔اور بورڈنگ کے لڑکے بھی مجھے تہجد پڑھتے ہوئے دیکھ کر حیران ہوتے تھے اور بعض منچلے لڑکے مجھ پر ''او ملا'' کہہ کر آوازیں کستے تھے۔

ان دنوں خاموش سینما ہوا کرتا تھا اور بورڈنگ کے لڑکے رات کو بورڈنگ کی بجلیاں بجھا کر بورڈنگ کی چاردیواری کو پھاند کر سینما دیکھنے چلے جاتے تھے۔میں سینما نہیں دیکھا کرتا تھا اور اس کے بعد 1934ء میں تحریک جدید کے اجراپر تو تمام احمدیوں پر سینما دیکھنا بند ہو گیا۔

بورڈنگ ہاؤس سے باہر نکلنے کے لئے کوئی لڑکا باتھ روم میں جا کر بجلی کے بلب پر ایک آنہ کا سکہ رکھ دیتا تھا اور جب بھی کوئی لڑکا باتھ روم

جاتا اور سوئچ کو on کرتا تو فوراً تمام ہاسٹل کی بجلی فیل ہو جاتی تھی۔ اس پر بورڈنگ سپرینٹنڈنٹ صاحب کسی چپڑاسی کو بجلی کے دفتر بھیجتے تھے کہ بجلی درست کی جائے اور اس طرح سے لڑکے ہاسٹل سے نکل جاتے تھے۔

جرمانہ اور اس کی واپسی

ایک دفعہ مسجد احمدیہ میں ایک اجلاس تھا جو دیر سے ختم ہوا۔ اس دن ہماری بدنصیبی سے بورڈنگ کی بجلی فیل ہوگئی تھی اور لڑکے سینما دیکھنے چلے گئے تھے۔ سپرینٹنڈنٹ صاحب گیٹ پر کھڑے سینما سے واپس آنے والوں کا انتظار کر رہے تھے۔ جب میں اور برادرم عبدالقدوس ان کو نظر آئے تو ہم دونوں کو بلا کر 5 روپیہ فی کس جرمانہ کیا کہ ہم بھی سینما گئے تھے۔ بعد میں میں امیر جماعت صاحب سے چٹھی لے آیا کہ دونوں لڑکے جماعتی اجلاس میں شامل تھے اور اجلاس دیر سے ختم ہوا تھا۔ اس کے بعد ہم کو وہ 5 روپیہ فی کس جرمانہ واپس ہوا۔

کوئٹہ کا زلزلہ

1935ء میں کوئٹہ کا ہیبت ناک زلزلہ آیا۔ جس میں ایک رات میں اسی ہزار آدمی مر گئے اور تمام کوئٹہ کھنڈرات میں تبدیل ہوگیا۔ ہم دونوں بھائی اس وقت ہاسٹل میں تھے اور دسویں جماعت میں پڑھتے

تھے۔ یہ 31 مئی ساڑھے پانچ بجے کا واقعہ ہے۔ برادرم عبدالقدوس ہاسٹل کے صحن میں چارپائی لے جا کر سو گئے اور میں کمرے کے برآمدہ میں سو گیا۔ آدھی رات کے وقت میں نے محسوس کیا کہ زمین سے بہت شور اٹھ رہا ہے اور بھنگی کالونی کے کتوں نے تو سرِشام بھونکنا شروع کر دیا تھا۔ میں اس شور سے جاگ اٹھا اتنے میں پہلے زلزلہ کا ایک معمولی جھٹکا محسوس ہوا پھر میں نے دیکھا کہ مغرب کی طرف کا بلاک دھڑام سے گر گیا ہے۔ میں فوراً چارپائی سے اٹھا اور بھاگا۔ اتنے میں مشرق کی طرف سے بلڈنگ زمین بوس ہوگئی۔ برآمدہ پر چونکہ ٹائلز تھیں اس لئے کچھ ٹائلز بھی میری پیٹھ پر لگیں مگر میں شدید زخمی ہونے سے بچ گیا۔ جب میں چارپائی سے اٹھ کر بھاگا تو سیدھا صحن میں برادرم عبدالقدوس کی چارپائی پر گر گیا۔ پھر میں عبدالقدوس خان کی چارپائی کے نیچے چھپ گیا اور چارپائی کے پائے پکڑ لئے۔

کافی دیر تک زبردست جھٹکے محسوس ہوتے رہے۔ صبح کے قریب سخت آندھی آئی جو ہماری آنکھوں میں پڑتی تھی۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ معاملہ کیا ہے۔ کوئی دس بجے کے قریب آندھی کچھ تھمی اور ہم لوگ ہوش میں آئے۔ اب ہم ایک دوسرے سے دریافت کر رہے ہیں کہ کیا

معاملہ ہے کیا کسی نے حملہ کیا ہے۔ جب ہم ہاسٹل سے باہر نکلے تو ہمیں ہمارے ہیڈ ماسٹر لالہ دیارام ملے۔ جن کا بنگلہ قریب ہی تھا۔ انہوں نے بتلایا کہ یہ زلزلہ ہے اور میرا اکلوتا رام مرگیا ہے اور وہ زار زار رو رہے تھے۔

جب ہم بازار کی طرف گئے تو ایک ہولناک منظر تھا۔ ہر طرف گھروں کے گرنے کی وجہ سے ملبہ پڑا تھا اور لوگ مرے پڑے تھے۔ ہم نے دوبارہ بورڈنگ کا رخ کیا۔ بورڈنگ میں ہم 50 لڑکے تھے جن میں سے 9 زندہ بچ گئے تھے۔ باقی کمروں میں چھتوں کے نیچے دب گئے تھے۔ وہاں پر چھت کی construction ایسی تھی کہ دیواروں پر لوہے کے گارڈر پڑے تھے اور چھت پر لوہے کی مضبوط جالی تھی جس پر مٹی پڑی ہوئی تھی۔ کچھ لڑکے اندر سے آواز دے رہے تھے کہ خدا کے لئے ہم کو بچاؤ۔ ہم یہ آواز سن رہے تھے مگر معلوم نہ ہوتا تھا کہ کدھر سے آواز آرہی ہے۔

ہم چند لڑکوں نے ہمت سے کام لیا۔ ہماری عمریں اس وقت 16/17 سال کی تھیں ہم گارڈر اٹھا کر دوسری جگہ پھینک دیتے تھے اور جالی کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر پرانے کپڑے کی طرح پھاڑ دیتے تھے۔ میں اب حیران ہوتا ہوں کہ یہ اتنی طاقت ہمارے کمزور نحیف بدن میں کیسے آگئی اور ہم نے گارڈر کو کیسے ہٹایا اور جالی کو کیسے پھاڑا۔

یہ جو حضرت علیؓ کے متعلق آتا ہے کہ انہوں نے کندھے کے زور سے خیبر قلعہ کا دروازہ اکھاڑ پھینک دیا۔ یہ بالکل سچ ہے اگر ہم کمزور نحیف بچے وزنی گرڈر کو اپنی جگہ سے اٹھا سکتے تھے تو حضرت علیؓ شیر خدا کیوں یہ کام نہیں کر سکتے تھے۔ ہم نے ہمت کر کے چند لڑکوں کو اس ملبہ سے نکالا۔ ان میں سے پانچ نکالے جانے کے فوراً بعد فوت ہو گئے۔ صرف تین زندہ بچ گئے تھے۔ ہیڈ ماسٹر صاحب نے ہم کو سکول چھوڑنے پر جو کریکٹر سرٹیفکیٹ دیا اس میں ہمارے اس کام کی تعریف کی ہے۔

میرے والد صاحب حضرت مولوی محمد الیاس رحمۃ اللہ بھی اس رات کوئٹہ تشریف لائے ہوئے تھے۔ میرے بڑے بھائی عبدالجلیل خان نے نائب تحصیلدار کے امتحان میں شامل ہونا تھا اور حضرت والد صاحب مکرم ڈاکٹر عبدالمجید صاحب (صحابی) کے ہاں تھے۔ میرے والد صاحب تو بال بال بچ گئے مگر عبدالجلیل خان کے سینے پر دیوار کی اینٹیں گریں جس سے ان کا سینہ زخمی ہو گیا۔

گیارہ یا بارہ بجے کے قریب حضرت والد صاحب ہماری خیریت دریافت کرنے ننگے پاؤں بورڈنگ کی طرف آئے اور ہم دونوں بھائیوں کو زندہ سلامت پا کر بہت خوش ہوئے۔

کوئٹہ میں احمدی آبادی کافی تھی۔ مگر سب اللہ تعالیٰ کے فضل سے بچ گئے۔ صرف ایک عبداللہ صاحب اس زلزلہ میں شہید ہوئے۔ حضرت والد صاحب ہم دونوں بھائیوں کو لے کر روانہ ہوئے۔ راستہ میں خان بہادر مولوی منیر احمد خان صاحب سے ملاقات ہوگئی جو کہ چیف کمشنر کے سیکرٹری تھے۔ والد صاحب کے دریافت کرنے پر کہا کہ میرے گھر کے گیارہ افراد مر گئے ہیں۔ ایک میں بچ گیا ہوں۔ اب ان مُردوں کے لئے کفن کی تلاش ہے۔ والد صاحب نے انکو مسئلہ سمجھایا کہ شہید کا اپنا لباس ہی اس کا کفن ہوتا ہے۔ ایک گڑھا کھود کر سب کو اس میں اکٹھا دفن کردو۔ خان بہادر صاحب نے والد صاحب سے فرمایا کہ خدا کو بگاڑنا آتا ہے بنانا نہیں آتا۔ حضرت والد صاحب نے فرمایا کہ یہ شخص اب شدید صدمہ کی وجہ سے بدحواس ہے اور کلمۂ کفر اس کے منہ سے نکل رہا ہے۔

راستہ چلتے ٹھنڈی سڑک یعنی لٹن روڈ پر گذر ہوا۔ جس پر چیف کمشنر صاحب کی کوٹھی تھی۔ چیف کمشنر مسٹر گولڈ باہر سڑک پر کھڑے تھے۔ والد صاحب کو دیکھ کر ان کی طرف آئے۔ وہ رو رہے تھے کہ یہ کیا ہوا اور میں اب کیا کروں۔ اس وقت والد صاحب نے کچھ مشورے ان کو دیئے تو انہوں نے کہا کہ آپ میرے پاس ٹھہر جائیں۔ آپ کے ہوتے ہوئے

مجھے تسلی ہوگی۔ حضرت والد صاحب نے فرمایا کہ مستونگ جانا چاہتا ہوں۔ جہاں پر میرے بچے ہیں۔ .C.C صاحب نے فرمایا کہ ابھی مسٹر سکرین مستونگ سے آئے ہیں اور بتایا کہ اس کی حالت کوئٹہ سے بھی زیادہ خراب ہے۔ یہ سن کر حضرت والد صاحب نے کہا کہ اب میں بالکل نہیں رہ سکتا۔

وہاں پر ایک سائیکل پڑی تھی۔ برادرم عبدالقدوس خان اس سائیکل پر مستونگ کی طرف روانہ ہوئے جو کہ کوئٹہ سے 30 میل کے فاصلہ پر ہے اور ہم لوگوں نے ایک ٹانگہ 30 روپیہ کرایہ پر لیا۔ عبدالقدوس خان عصر کے قریب مستونگ پہنچ گئے اور ہم رات کے کسی وقت پہنچے۔ راستہ تمام خراب تھا زلزلہ کی وجہ سے سڑک میں بڑے بڑے دراڑ تھے جس کی وجہ سے ٹانگہ مشکل سے چل سکتا تھا۔

مستونگ میں میرا چھوٹا بھائی عبدالرحمٰن خان ایک بالا خانہ گرنے کی وجہ سے اپنے ہی مکان کی چھت کے نیچے دب کر فوت ہوگیا تھا۔ چند پختونوں نے ہمت کر کے اس کو ملبہ سے نکالا اور خود ہی قبرستان میں دفن کر دیا۔ میری ایک چھوٹی بہن خدیجہ بی بی کی دونوں ٹانگوں پر بڑا ملبہ پڑا تھا۔ جس سے نکلنا بڑا مشکل تھا۔

انگریز پولیٹیکل ایجنٹ کی حفاظت کے لئے گورکھا فوج کی ایک پلٹن مستونگ میں موجود تھی۔ انگریز پولیٹیکل ایجنٹ مسٹر سکرین نے گورکھا فوج کے آدمیوں کو لے کر ملبہ سے زندہ لوگوں کو نکالنا شروع کیا۔ جب وہ ہمارے گھر کی طرف آئے تو والدہ صاحبہ نے ان سے درخواست کی۔ پولیٹیکل ایجنٹ نے گورکھا جوانوں کو لیا اور ان کو نیم گرے ہوئے کمرہ کے اندر داخل کیا اور خود دروازہ پر کھڑے ہو گئے۔ جب زلزلہ کا زور کا جھٹکا آتا تو وہ گورکھا جوان بھاگنے کی کوشش کرتے تا کہ باقی ماندہ چھت گر نہ جائے۔ مسٹر سکرین ان کو دروازہ پر کھڑے پھر واپس کرتے کہ اس بچی کو ضرور نکالنا ہے۔ آخر انہوں نے ہمت کر کے ملبہ کو ہٹایا اور خدیجہ صحیح سلامت نکل آئی۔ زلزلہ کے وقت گھر میں خاندان کے چھ افراد تھے۔

زلزلہ کے بعد جب ہر طرف بربادی تھی۔ مستونگ میڈیکل آفیسر جناب ڈاکٹر عباس علی خان ہمارے سارے خاندان کو اپنے گھر کے باغ کے ایک کونہ میں چادروں کا پردہ کر کے لے گئے۔ جزاکم اللہ.

اس باغ میں کئی دن تک ہم بغیر چھت کے کھلے آسمان کے نیچے سو جاتے تھے۔ چند دنوں بعد زلزلہ زدہ لوگوں کے لئے ریلیف آ گیا۔ جس میں خیمے وغیرہ بھی تھے۔ پولیٹیکل ایجنٹ ہر ضرورت مند کو ایک چھوٹا سا

خیمہ جس کو چھولداری کہتے ہیں دیتے تھے۔ حضرت والد صاحب کو بھی ایک چھولداری دی گئی۔ والد صاحب نے پولیٹیکل ایجنٹ صاحب سے مل کر عرض کی کہ یہ چھولداری میرے کنبے کے لئے ناکافی ہے۔ اس نے جواب دیا کہ میں اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کر سکتا۔ والد صاحب نے فرمایا کہ بڑے خیمے آپ کے پاس موجود ہیں اگر آپ مجھے بڑا خیمہ نہ دیں گے تو میں آپ کی شکایت کر دوں گا۔ انہوں نے کہا کہ آپ کس سے شکایت کریں گے تو والد صاحب نے انگلی آسمان کی طرف اٹھا کر کہا کہ اس قادر مطلق کی درگاہ میں شکایت کر دوں گا۔ اس پر پولیٹیکل ایجنٹ نے کہا کہ آپ میری شکایت خدا تعالیٰ سے نہ کریں بڑا خیمہ لے جائیں۔ اس کے بعد وہ پولیٹیکل ایجنٹ حضرت والد صاحب کا بڑا دوست بنا۔

کچھ ماہ بعد سرکاری ملازمین کے لئے چھوٹے چھوٹے ٹین کے گھر بن گئے اور ہم سب خاندان ایک گھر میں منتقل ہو گئے۔ ان دنوں بشیر احمد رفیق میرے بھانجے جو کہ بعد میں امام مسجد لندن رہے ہیں اور واقف زندگی ہیں ہمارے ساتھ رہتے تھے۔ ایک دن وہ دوڑے دوڑے باہر سے آئے اور حضرت والد صاحب سے کہا کہ دودھ دینے والے نے کاریز یعنی نہر سے دودھ کی بالٹی میں چلو بھر کر پانی ڈالا ہے۔ اتنے میں دودھ والا

دودھ دینے کے لئے آ گیا۔ حضرت والد صاحب نے اس سے کہا کہ یہ لڑکا بتلاتا ہے کہ اس کے سامنے تم نے دودھ میں پانی ڈالا ہے۔ تو اس نے کہا ''آغا شہر بے آب وتمباک بے خاک نہ مشہود'' کہ آقا دودھ بغیر پانی کے اور تمباکو بغیر مٹی کے نہیں ہوسکتا اور تحصیلدار صاحب نے آج مجھ سے ایک سیر دودھ زیادہ لیا ہے تو اس کمی کو کاریز (نہر) کے پانی سے پورا کیا ہے۔

ایک سال بعد صاحب زادہ محمد خورشید صاحب جو کہ بعد میں صوبہ سرحد کے گورنر ہوئے ہیں ان کی تعینات بطور افسر خاص زلزلہ زدگان کے پشاور میں ہوئی۔ ان کی واقفیت حضرت والد صاحب سے ہوگئی۔ انہوں نے حضرت والد صاحب سے قرآن مجید کی تفسیر پڑھی۔ وہ حضرت والد صاحب کی بڑی عزت واحترام کرتے تھے اور ان کو خدا رسیدہ انسان سمجھتے تھے۔

زلزلہ کے بعد کوئٹہ کی حالت

کوئٹہ چونکہ زلزلہ کی وجہ سے بالکل مسمار ہوگیا تھا۔ اس لئے کوئٹہ کے لڑکوں کی تعلیم جاری رکھنے کے لئے ان کا انتظام پشین میں کیا گیا۔ وہاں پر شہر کے ایک طرف کچھ دوکانیں بنیں تھیں۔ ان کو بطور ہاسٹل استعمال کیا گیا۔ مجھے اس ہاسٹل میں خوراک وغیرہ کا نگران مقرر کیا گیا۔

ہاسٹل کے قریب تر ایک ہندو دوکاندار نے آکر مجھ سے کہا کہ میں تم کو ایک سو روپیہ ماہوار دیا کروں گا تم ہاسٹل کا تمام سامان مجھ سے لیا کرو۔ میں نے رشوت لینے سے انکار کر دیا۔ وہ کہنے لگا کہ تم بچے ہو نہیں سمجھتے اس سے تمہارا بڑا بھلا ہوگا۔ میں نے اس دوکاندار سے کہا کہ میں احمدی مسلمان ہوں اور یہ رقم مجھ پر حرام ہے۔

بورڈنگ ہاؤس کا چونکہ کوئی صحن نہیں تھا اس لئے لڑکے گرمیوں میں باہر سڑک پر چارپائی ڈال کر سو جاتے تھے۔ ایک دن چند شرارتی لڑکوں کو ایک شرارت سوجھی۔ انہوں نے ٹانگہ کے پہیہ کا کالا ربڑ لے کر اس کو اس طرح سے تراشا کہ وہ کالا سانپ نظر آتا۔ گرمیوں میں لوگ رات کو اس سڑک پر سیر کے لئے باہر نکلتے تھے۔ جن میں ایک سکھ ڈاکٹر او ان کی بیوی بھی ہوتی تھی۔ یہ شرارتی لڑکے اس ربڑ کے ساتھ لمبی سُوت کی رسی باندھ کر سڑک کے بیچ میں چھوڑ جاتے تھے اور جب کوئی گذرتا تو چارپائی پر پڑے پڑے اس رسی کو کھینچ لیتے تھے۔ جو دور سے سانپ نظر آتا تھا۔ جب وہ سکھ ڈاکٹر صاحب مع بیوی کے سیر سے واپس آرہے تھے تو لڑکوں نے رسی کھینچنی شروع کی۔ سکھ ڈاکٹر صاحب نے پتھر لے کر اس ربڑ کو مارنا شروع کیا۔ مگر ربڑ بدستور سانپ کی طرح ہلتا۔ اس سے اس کی

بیوی بہت گھبرائی اور ڈر کے مارے گر گئی اور زخمی ہو گئی۔ کئی دنوں بعد یہ راز افشاء ہوا اور ان لڑکوں کو ہیڈ ماسٹر صاحب نے بدنی سزا دی اور ڈاکٹر صاحب سے معافی مانگی۔ مگر سکھ ڈاکٹر نہیں مانتا تھا۔ وہ بضد تھا کہ میں نے مقدمہ عدالت میں لے جانا ہے۔ مگر پولیس والے یہ کیس نہیں لیتے تھے کہ یہ بچوں کی شرارت تھی۔ جس کی ان کو سزا مل گئی ہے۔

میرے بھائی عبدالجلیل خان مرحوم جو کہ لائلپور زرعی کالج سے B.S.C تھے۔ انہوں نے گھر میں امرت دھارا بنایا تھا۔ جو ہر قسم کے پیٹ اور سر درد کے لئے مفید تھا۔ ہمارے ہاسٹل کے باورچی ابراہیم نے ایک دن آ کر مجھے پنجابی میں کہا کہ ''میرے ڈِڈھ وچ بڑی پیڑ اے''۔ یعنی میرے پیٹ میں بڑی درد ہے۔ میں سمجھا یہ کہتا ہے کہ میرے سر میں سخت درد ہے۔ میں نے امرت دھارا اس کے سر پر مل کر اس کو کہا کہ سر کو مضبوط کپڑے سے باندھو۔ تھوڑی دیر بعد وہ پھر آیا اور کہا کہ درد میں کمی نہیں ہوئی ہے۔ میں نے کہا کدھر درد ہے تو اس نے پیٹ کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ پیٹ میں درد ہے۔ میں نے کہا کہ میں سمجھا تھا کہ سر میں درد ہے۔ اس لئے تمہارے سر پر دوائی باندھی۔ اس وقت میں سمجھا کہ پنجابی زبان بھی سیکھنی چاہیئے اور پھر بعد میں میں نے پنجابی زبان میں خوب مہارت

حاصل کرلی تھی۔

تعلیم کے بعد

میں نے میٹرک کا امتحان 1935 ء میں پشین سکول سے پاس کیا۔ اُن دنوں تمام صوبہ بلوچستان، پنجاب اور کشمیر ''پنجاب یونیورسٹی'' کے ماتحت تھا اور شمالی ہندوستان میں یہ ایک ہی یونیورسٹی تھی۔ سکول سے فارغ ہونے کے بعد میں نے 1936 ء میں محکمہ پوسٹ آفس میں بطور کلرک کام کیا۔ ان دنوں یہ قانون تھا کہ پوسٹ آفس کے عملہ کا ہر آدمی پوسٹ آفس انشورنس میں اپنے آپ کو انشورڈ کروائے گا۔

میں نے وصیت کی

چند ماہ بعد مجھے بھی انشورنس کاغذات پُر کرنے کے لئے دیئے گئے۔ میں پوسٹ آفس سے یہ فارم لے کر حیران تھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تو زندگی کا بیمہ منع فرمایا ہے۔ اب کیا بنے گا۔ اتنے میں چوہدری نواب امین صاحب جو کہ آرسنل میں کام کرتے تھے مجھ سے ماہوار چندہ وصول کرنے تشریف لائے۔ مجھے پریشان دیکھ کر میری پریشانی کی وجہ پوچھی۔ پریشانی کی وجہ بتلانے پر انہوں نے فرمایا کہ آؤ میں تم کو ایک ایسے محکمہ سے انشورڈ کرتا ہوں جس میں فائدہ ہی فائدہ ہے

اوراس انشورنس کی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اجازت بھی
دی ہے بلکہ اصرار فرمایا ہے۔ میں نے پوچھا وہ کون سا محکمہ ہے تو انہوں
نے جھٹ تھیلے میں سے وصیت فارم نکال کر میرے سامنے رکھا اور فرمایا
کہ اس پر دستخط کرلیں اور چندہ 1/16 کی بجائے 1/10 دیا کریں۔
سو بفضل تعالیٰ میں 1936ء سے موصی ہوں اور میرا وصیت نمبر
5165 ہے۔ الحمد للہ

ملازمت

کوئٹہ سے میری تبدیلی چمن بلوچستان ہوگئی اور پھر چند ماہ بعد
مہینہ کے آخر میں میری تبدیلی دوبارہ کوئٹہ ہوگئی۔ میرے پاس خرچ کے
لئے رقم ختم ہوگئی۔ کئی لوگوں سے رقم قرض مانگا مگر چونکہ میں نیا تھا اور مہینہ
کا اخیر بھی تھا کسی نے مجھے رقم قرض نہیں دی۔ میرے پاس ایک آنہ رہ گیا
تھا اور تنخواہ کے حاصل کرنے میں ابھی تین دن باقی تھے۔ میں اس ایک آنہ
میں سے روزانہ ایک پیسہ کے چنے خرید کر اس پر گذارہ کرتا تھا اور یکم کو جب
تنخواہ ملی تو ہوٹل میں جا کر بھوک کی سب کسر پوری کی۔

سِبّی میں تبادلہ اور گرمی کی شدت

کوئٹہ سے میرا تبادلہ سبی ماہ جون میں ہوا۔ سبی ایک بہت ہی گرم

مقام ہے۔ سبی اور ڈھاڈر کے متعلق یہ مفروضہ ہے کہ ''سبی ڈھاڈر ساختی دوزخ چرا ایرداختی''۔ اے خدا جب تو نے سبی اور ڈھاڈر کو بنایا ہے تو پھر دوزخ کو کیوں بنایا ہے۔ گرمی کا یہ حال تھا کہ دن کے وقت سخت گرمی ہوتی تھی۔ دفتروں اور گھروں میں ریت بچھائی جاتی تھی اور اس پر پانی ڈالا جاتا تھا اور پھر ہاتھ کا پنکھا چلایا جاتا تھا۔ رات کے وقت آدھی رات کے بعد سخت لو چلتی تھی۔ چارپائی پر چٹائی بچھائی جاتی تھی اور اس پر پانی ڈالا جاتا تھا اور قریب ہی رضائی پڑی ہوتی تھی۔ آدھی رات کو جب گرم لُو چلتی تھی تو لوگ اس رضائی کو اوڑھ کر لُو سے بچ جاتے تھے۔ تمام ریل کی گاڑیاں سبی سے رات کو گذرتی تھیں۔ جب سبی اسٹیشن پر گاڑی پہنچ جاتی تھی تو مسافر سندھ کے ریگستان سے آنے کی وجہ سے منہ ہاتھ دھونے کے لئے اسٹیشن کے نلکے پر جاتے تھے۔ جب وہ نلکا کھول لیتے تو اس میں سے کھولتا ہوا پانی نکلتا تھا۔

ڈاک خانہ کے محکمانہ امتحان میں خاکسار فیل ہوگیا اور مجھے ملازمت سے فارغ کر دیا گیا۔ ملازمت سے فارغ ہونے کے بعد میں اپنے والد صاحب کے پاس مستونگ چلا آیا۔ مستونگ میں والد صاحب کے اثر ورسوخ کی وجہ سے مجھے ریاست قلات میں ملازمت ملی اور مجھے

جیونی بندرگاہ پر کسٹم آفیسر مقرر کیا گیا۔ جیونی بندرگاہ پر ریاست کی طرف سے یہ ایک ہی افسر ہوتا تھا جو کہ ریونیو افسر بھی تھا، جوڈیشنل افسر بھی تھا اور کسٹم افسر بھی۔

نئی ملازمت اور امتحان

جیونی بندرگاہ کے قریب ایک چھوٹی سی بندرگاہ تھی۔ جس کو ''ہور'' کہتے ہیں۔ وہ Seaplane کے اترنے کے لئے بنائی گئی تھی۔ جہاں Boat کا آفس تھا وہاں پر آسٹریلیا جانے والے جہاز تیل لیتے تھے۔ یہ تیل ایران سے ایک جہاز کے ذریعہ آتا تھا۔ جس کو ''خوزستان'' کہتے تھے۔ یہ جہاز مہینہ میں چار پانچ چکر لگاتا تھا اور ریاست قلات ہر جہاز سے ایک لاکھ روپیہ کسٹم ڈیوٹی وصول کرتا تھا۔ مجھ سے پہلے جتنے بھی افسر تھے وہ کاغذات میں مہینہ میں دوبار بحری جہاز خوزستان کا آنا بتلاتے اور باقی لاکھوں روپیہ بغیر اندراج کے خود ضبط کر لیتے اور سال ڈیڑھ سال ملازمت کرنے کے بعد چلے جاتے تھے میں نے محکمہ کو حکم دیا کہ ہر جہاز کی آمد کو درج کیا جائے اور پوری رقم کسٹم ڈیوٹی کی وصول کر کے داخل خزانہ کی جائے۔ میرے اس اقدام سے Boat والے بہت گھبرائے اینگلو ایرانین آئیل کمپنی کا ایک افسر مسٹر پنگلی ہور آیا اور اپنے مقامی نمائندہ مسٹر

مارٹن کے ہاں قیام کیا۔ مسٹر مارٹن نے مجھے پیغام بھیجا کہ ہمارے ایک افسر ایران سے آئے ہیں۔ وہ آپ کے ساتھ چائے پینے کی خواہش کرتے ہیں۔ میں نے چائے وغیرہ کا مناسب انتظام کیا۔ مسٹر پنگلی اور مسٹر مارٹن جیونی آئے۔ مجھے ان دنوں انگریزی پر عبور نہ تھا نیا نیا سکول سے نکلا تھا۔ مسٹر مارٹن کو بلوچی زبان آتی تھی۔ مسٹر پنگلی انگریزی میں گفتگو کرتے اور مسٹر مارٹن انگریزی زبان میں ترجمانی کرتے۔ مسٹر پنگلی نے بڑا زور لگایا کہ حسب سابق دو جہاز پر کسٹم وصول کیا جائے اور باقی دو یا تین جہاز کا کسٹم حسب سابق ہم اور آپ میں تقسیم کیا جائے۔ میں نے ان کی offer کو دھتکار دیا وہ مایوس ہو کر واپس چلے گئے اور کہا کہ یہ بچہ ہے اس کو اپنے future کا قطعاً خیال نہیں ہے۔ چند ماہ بعد ریاست قلات کے وزیروں نے جیونی کا دورہ شروع کیا اور مجھ سے اپنا حصہ مانگنے لگے۔ میں نے ان کو جواب دیا کہ میں نے ساری رقم حکومت کے خزانہ میں داخل کر دی ہے میرے پاس کوئی رقم تم لوگوں کو دینے کے لئے نہیں ہے اس سے وہ ناراض ہو کر چلے گئے۔

جیونی میں تمام تجارت سندھی ہندوؤں کے ہاتھ میں تھی وہ چھوٹا voucher پیش کر کے دس ہزار کا مال دو سو کا بتلا کر اس پر کسٹم ادا کرتے

جو 6 فیصدی تھا۔ ایک دفعہ ایک ہندو نے ہزاروں بلکہ لاکھوں روپے کی گھڑیوں کو چند سو کا بتلایا اور کسٹم ادا کرنے کے لئے کہا۔ میں نے کسٹم کلرک سے کہا کہ اس سے یہ کسٹم لے لو اور ان تمام گھڑیوں کو 10 فیصدی منافع دے کر سرکاری خزانہ میں رقم ادا کر کے ضبط کر لو۔ اس پر وہ ہندو سخت سٹپٹایا۔ اور اصلی voucher پیش کر کے کسٹم کی رقم ادا کی۔ اسی طرح مچھیرے بھی جو سب مکرانی تھے۔ مختلف ہتھکنڈے سرکاری رقم کو خرد برد کرنے کے لئے کرتے۔ میں نے ان کو بھی Recognize کرایا۔ وزیراعظم صاحب کے پاس میری شکایت جانی شروع ہوگئی کہ موجودہ کسٹم آفیسر سخت راشی اور بددیانت ہے۔ 9 ماہ بعد مجھے جیونی بندرگاہ سے صدر دفتر قلات میں تبدیل کیا گیا۔ جہاں پر میں نے اپنا استعفیٰ پیش کر دیا اور جیونی بندرگاہ سے مقروض ہو کر واپس آیا۔

جیونی کے حالات

جیونی بندرگاہ میں ڈاک کا بالکل انتظام نہ تھا۔ گوادر میں مہینہ میں ایک بار بحری جہاز ٹھہرتا تھا اور اس میں جو ڈاک جیونی کے لئے ہوتی تھی وہ ایک خاص آدمی بھیج کر منگائی جاتی تھی۔ ہور میں مکرانی لیوز فورس کا ایک دستہ انگریزوں کی حفاظت کے لئے متعین تھا لیوز فورس کا صوبہ دار لالہ خان

ایک ان پڑھ انسان تھا مگر معقول آدمی تھا۔ وہ انگریزوں کے لئے سودا سلف خریدنے جیونی آتا تھا۔ اس سے واقفیت ہوگئی تھی میں نے لالہ خان سے کہا کہ میں یہاں پر اکیلا تنگ آ گیا ہوں۔ اگر تم انگریزوں سے کچھ رسالے لے کر مجھے مطالعہ کے لئے بھیج دو تو اچھا ہوگا اور یہ رسالے پڑھنے کے بعد میں واپس کر دیا کروں گا۔ دوسرے دن صوبہ دار لالہ خان نے مجھے ایک بنڈل اخبارات کا بھیجا۔ وہ الفضل تھے۔ دوسری دفعہ جب وہ جمونی آیا تو میں نے اس سے کہا کہ تم کو یہ اخبارات کہاں سے ملے ہیں۔ اس نے کہا کہ یہاں پر ایک پنجابی اوورسیئر کام کرتا تھا اس کے لئے یہ اخبارات بنڈل کی صورت میں آتے تھے۔ اب وہ یہاں سے چلا گیا ہے مگر اخبارات بدستور آرہے ہیں۔ چونکہ اخبارات اردو میں ہیں۔ میں نے مناسب سمجھا کہ میں یہ اخبارات آپ کو بھیج دوں۔ اس طرح سے اللہ تعالیٰ نے 9 ماہ تک مجھے اخبار الفضل مہیا کرنا شروع کیا۔ **الحمدللہ**.

جیونی مکران کی ایک بندرگاہ ہے اور یہاں جانے کے لئے براستہ سڑک تربت میں سے گزرنا پڑتا تھا۔ تربت ایک گرم شہر ہے۔ آم اور کھجور زیادہ ہوتے ہیں۔ زگری تربت کا صدر مقام ہے۔ ذکری لوگ نماز تہجد پڑھتے ہیں۔ تربت میں کوہ مراد پر انہوں نے صفا و مروہ بنایا ہے اور ذکری

لوگ حج کے لئے کوہ مراد پر جاتے ہیں اور چند ایک ذکر کرتے ہیں وہ ایک شخص محمد نام کو مہدی کر کے پکارتے ہیں اور اس کے پیروکار ہیں۔

مکران میں میں نے حکومت کی بدعملی دیکھی۔ ایک طرف نواب مکران کی حکومت تھی۔ ریاست قلات کی طرف سے علیحدہ وزیر مکران تھا جو اپنا حکم چلاتا تھا اور تیسری طرف مکران لیوز فورس کا عملہ تھا جو کہ پولیٹیکل ایجنٹ کی طرف سے لوگوں پر نظر رکھے ہوا تھا۔ ایک شخص بیک وقت تین حکام کا ماتحت تھا۔ مکران کی سرحد ایران سے ملتی تھی اور ایرانین مکران بھی سب بلوچ ہیں جو کہ بغیر پاسپورٹ کے مکران میں داخل ہوتے تھے۔ رشوت خوب چلتی تھی اور ہر ایک حاکم اپنا حصہ مانگتا تھا۔ رعایا کی بہت بری حالت تھی۔

جیونی جانے کے لئے جس ویگن سے میں جارہا تھا۔ وہ خراب ہوگئی۔ ان دنوں پسنی بندرگاہ پر غیر ممالک سے سامان کم کسٹم پر آتا تھا اور اس سامان کو لے کر درجنوں لاریاں چلتی تھیں۔ مستوفی صاحب تربت نے (تحصیل کے حاکم اعلیٰ کو ریاست قلات میں مستوفی کہتے تھے) ایک سکھ لاری ڈرائیور کو حکم دیا جو پسنی سے سامان لے کر تربت پہنچا تھا اور کوئٹہ اس کی منزل مقصود تھی کہ تم اپنا سامان اُتارو اور کسٹم افسر صاحب کو جیونی

پہنچاؤ۔ اس سکھ ڈرائیور نے بڑا شور مچایا مگر اس کی کوئی بات سنی نہ گئی۔ اس کے ٹرک سے سامان اتارا گیا اور اس میں مجھے بٹھا کر 200 میل دور تربت پہنچایا گیا۔ سکھ ڈرائیور کو اس کا کوئی معاوضہ نہیں دیا گیا۔ نہ پٹرول کے لئے رقم دی گئی۔ ریاست قلات میں اس قسم کے ظالمانہ احکامات عام تھے۔ جب مستوفی صاحب کو میں نے کہا کہ اس سکھ ڈرائیور کو دینے کے لئے میرے پاس کوئی رقم نہیں ہے تو اس نے کہا کہ خاموش رہو۔ ریاست میں بے گار لینا عام بات ہے۔ میں اس کا ذمہ دار ہوں۔ میں نے ٹرک کا انتظام کیا ہے۔ تم بری الذمہ ہو۔

سندھی ہندو کی مہمان نوازی

جیونی سے واپسی پر ایک سڑک کے ذریعہ سفر کر رہا تھا۔ دس بارہ آدمی اور بھی تھے۔ راستہ میں ایک ندی بہت بارش ہونے کی وجہ سے بہہ رہی تھی اور ندی کو عبور کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ مکران میں تمام سڑکیں کچی تھیں۔ ہم ندی کے ایک طرف رک گئے اور قریب ہی گاؤں میں آدمی آٹا وغیرہ لینے کے لئے پہنچا۔ اس گاؤں کے سندھی ہندو دوکاندار نے ہم سب کو بلایا اور چھ دن تک ہماری مہمان نوازی کرتا رہا۔ یہاں تک کہ ندی میں پانی کم ہو گیا پھر اس نے گاؤں کے لوگوں سے کہہ کر قریب جنگل سے

لکڑیاں کاٹیں اوران کو کافی مقدار میں ندی میں ڈالا۔اس طرح سے بڑی مشکل سے ٹرک کوندی سے پار کرایا۔اس سندھی ہندو کی مہمان نوازی ابھی تک مجھے یاد ہے۔

جیونی کی سرحد ایرانین مکران سے ملتی تھی۔ایران کا وہ علاقہ بھی مکران کہلاتا ہے اور دونوں طرف کے لوگ آزادانہ ایک دوسرے علاقے میں آجاسکتے ہیں۔دونوں طرف مکرانی بلوچ قوم آباد ہے۔مجھے معلوم ہوا کہ چند مکرانی بدمعاش ایرانین مکران سے عورتوں کو اغوا کرتے ہیں یا وہاں سے خرید کرلاتے ہیں اور پھران کو سی وغیرہ میں فروخت کر دیتے ہیں۔ان کا اغوا شدہ عورتوں کا اڈہ جیونی میں تھا اور مجھ سے سابقہ تمام افسران ان لوگوں سے ملے ہوئے تھے اوران سے اپنا کمیشن وصول کرتے تھے۔جب مجھے اس کا علم ہوا تو میں نے ارادہ کیا کہ میں اس کاروبار کا قلع قمع کرونگا۔ میرے ماتحت عملہ اور لیویز کے ممبران نے مجھے ایسا کرنے سے منع کیا اور کہا کہ آپ کے پاس کل 20 نفری لیویز ہے اور وہ بھی فرسودہ بندوقوں کے ساتھ۔اغوا کنندگان کے ساتھ نیا اسلحہ ہے اوران کا جتھہ بہت مضبوط ہے۔مگر میں نے کہا کہ میں نے یہ کام ضرور کرنا ہے میں نے لیویز کے جمعدار جس کا نام ہیبت خان تھا سے کہا کہ جب بھی یہ گروہ ایران سے جیونی

میں داخل ہوتو مجھے اطلاع کریں۔ایک دن جمعدار صاحب آئے اور کہا کہ صاحب فلاں بدمعاش 10 عورتوں کے ساتھ فلاں کودہ کے مکان میں ٹھہرا ہوا ہے وہاں پر گاؤں کے مالک کو کودہ کہتے ہیں۔

میں چند لیویز کے آدمیوں کو لے کر سیدھا اس کودہ کے مکان پر گیا اور لیویز سمیت اس کے مکان میں گھس گیا۔وہ بدمعاش اغوا شدہ عورتوں کے حلقہ میں بیٹھا ہوا تھا۔میں نے جاتے ہی پہلے اس کی بندوق پر قبضہ کیا اور پھر اسکو گریبان سے پکڑ کر کھڑا کیا اور منہ پر چند چپت رسید کیں اور لیویز کے آدمیوں سے کہا کہ اس کو باندھ کر دفتر میں پیش کریں۔وہ بدمعاش میری اس جرأت سے ایسا خوف زدہ ہوا کہ اس کے گروہ کے سب آدمی بھاگ گئے۔اس بدمعاش کو تحصیل میں لا کر میں نے ایک کھمبا سے باندھ دیا اور لیویز کے ایک آدمی کو کہا کہ اس کو خوب مارو اور لوگوں کے سامنے مارو۔سب شہر کو جمع کیا گیا اور ان سب کے سامنے اس کو خوب بدنی سزا دی گئی پھر اس سے وعدہ لیا کہ وہ پھر اس علاقہ میں یہ کاروبار نہیں کرے گا۔ خدا کی قدرت اس پر اتنا رعب سوار ہوا کہ وہ مع اپنے گروہ کے گوادر کی طرف بھاگ گیا اور پھر دوبارہ جیونی کا رخ نہ کیا۔لوگ حیران تھے کہ ایک نوجوان بظاہر بچہ افسر نے اتنی جرأت دکھائی۔اس واقعہ کا سارے جیونی

کے لوگوں پر اتنا رعب ہوا کہ میرے دوران قیام جیونی میں پھر کسی بدمعاش نے سر نہ اٹھایا۔ یہ سب خدا کا فضل تھا۔ اب میں خود بھی اس واقعہ پر جب غور کرتا ہوں تو حیران ہو جاتا ہوں کہ میں نے یہ جرأت کیسے کی اور کیسے اتنا بڑا اقدم اٹھایا۔ مکرانی لوگ پٹھانوں سے بہت ڈرتے ہیں کچھ یہ وجہ بھی تھی مشہور رہوا کہ ایک پٹھان افسر آیا ہے جو بہت بے لحاظ ہے۔

ساحلی لوگوں کی اخلاقی حالت

ساحل سمندر کے رہنے والے لوگ چال چلن کی وجہ سے بہت بدنام ہیں خاص کران کی مستورات۔ میرے بڑے بھائی عبدالحئی خان جو کہ ریاست لس بیلہ میں خاور خان کے اتالیق رہے تھے نے مجھے لکھا کہ تم جیونی جارہے ہو جو کہ ساحل سمندر ہے اس لئے وہاں پر تمہاری پاک دامنی کا امتحان ہوگا۔ اس لئے بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کا فضل ہے کہ اس نے محض اپنے فضل وکرم سے مجھے ہر شر سے محفوظ رکھا۔ الحمد لله.

مجھے حکومت کی طرف سے ایک مہاری یعنی اونٹ علاقہ میں سفر کرنے کے لئے ملا ہوا تھا۔ میرے اونٹ کا سوار ایک دفعہ ایک لڑکے کو پکڑے ہوئے آیا کہ اس کو میں نے اپنی بیوی کے ساتھ نا مناسب

حالت میں پکڑا ہے۔ میں نے لڑکے کو حوالات میں ڈال دیا اور مقدمہ شروع کرنے کے لئے داؤد کو کہا کہ وہ دفتر میں درخواست داخل کرے۔ داؤد کا سالا میرے لئے میٹھا پانی دور سے لایا کرتا تھا۔ ساحل سمندر پر میٹھا پانی نہیں ملتا۔ میں نے داؤد کے سالے سے کہا کہ تمہاری بہن نے یہ کیا برا کام کیا۔ اس نے کہا کہ صاحب برا کام داؤد نے کیا ہے میری بہن نے نہیں کیا ہے۔ میں نے پوچھا وہ کیسے۔ اس نے کہا کہ داؤد کو ''اُپار'' کرنا چاہیئے تھا۔ یہ ان لوگوں کا لفظ ہے یعنی درگذر سے کام لینا چاہیئے تھا۔

چند دنوں بعد داؤد آیا اور رو کر کہنے لگا کہ ''واجہ من اا وپار کتم'' یعنی بلوچی زبان میں کہا کہ آقا میں نے معاف کر دیا ہے۔ آپ اس لڑکے کو چھوڑ دیں۔ کیونکہ ملک کے دستور کے خلاف کام کیا ہے۔ یعنی رپورٹ نہیں کرنی چاہیئے تھی۔ بلکہ اُپار سے کام لینا چاہیئے تھا۔

ریاست قلات میں کوئی تعزیرات نہیں تھیں۔ وہاں حاکم وقت کا حکم قانون تھا اور مقدمات کا فیصلہ حاکم وقت کی صوابدید پر منحصر ہوتا تھا یا پھر مقدمات اور جھگڑوں کو جرگہ میں پیش کیا جاتا تھا۔ جرگہ میں چند ''کودے'' یعنی ملک ہوتے ہیں اور مقدمہ کا فیصلہ ملکی رواج اور رسومات کے مطابق کیا جاتا ہے اور اس میں بھی اثر ورسوخ اور رشوت کا

پلہ بھاری ہوتا تھا۔

جیونی کے قاضی کی آمد

ایک دفعہ جیونی کے قاضی صاحب میرے پاس آئے اور کہا کہ آپ سب مقدمات کا خود فیصلہ کرتے ہیں یا جرگہ کو دے دیتے ہیں مجھے کوئی مقدمہ فیصلہ کرنے کے لئے نہیں بھیجا جا رہا۔ جس کی وجہ سے میں فاقوں سے مر رہا ہوں۔ بعد میں مجھے بتلایا گیا کہ قاضی صاحب فریقین سے رقم لے کر اس کے حق میں فیصلہ دے دیتے ہیں جو زیادہ رقم ان کو ادا کرتا ہے۔ اس لئے لوگوں کی کوشش ہوتی تھی کہ جھگڑوں اور مقدمات کا فیصلہ میرے ذریعہ سے ہو میں بالکل نوجوان اور ناتجربہ کار تھا مگر اللہ تعالیٰ مجھے بہترین فیصلہ کی توفیق عطا فرماتا رہا اور رشوت وغیرہ سے میرا پہلو پاک رکھا۔ الحمدللہ۔ اور لوگ حیران ہوتے تھے کہ یہ ایک عجیب نوجوان ہے۔ جس کو زر و مال سے کوئی دلچسپی نہیں ہے جو سادہ رہتا ہے اور سادہ کھاتا ہے۔

شادی خانہ آبادی اور نئی ملازمت

جیسا کہ میں نے پہلے لکھا ہے جیونی سے میرا تبادلہ وزیر اعظم کے دفتر قلات میں کیا گیا۔ میں نے چند ماہ بعد وہاں سے استعفیٰ دے دیا

اور مستونگ چلا آیا۔ میرا رشتہ خان خواص خان صاحب کی بڑی لڑکی بی بی عائشہ سے ہوگیا تھا۔ خواص خان صاحب P.W.O میں ایس ای کے دفتر میں آفس سپریٹنڈنٹ تھے۔ بہت نیک انسان تھے۔ نڈر اور قابل انسان تھے۔ سب ان کے تقوی کی وجہ سے ان کی عزت کرتے تھے۔ سول کوارٹرز جہاں وہ رہائش رکھتے تھے وہاں کے احباب ان کے مکان پر نماز باجماعت ادا کرتے تھے۔ بہت دعوت الی اللہ کرتے تھے اور ان کی کوششوں اور تبلیغ سے کئی دوست سلسلہ احمدیہ میں داخل ہوئے۔ جلسہ سالانہ کے موقع پر دو تین غیر احمدیوں کو ضرور ربوہ جلسہ پر لے جاتے تھے اور ان کا تمام خرچ خود برداشت کرتے تھے۔ P.W.O میں بطور اسسٹنٹ سیکرٹری ریٹائر ہوئے۔ موصی تھے۔ اب بہشتی مقبرہ ربوہ میں آرام فرمارہے ہیں۔ مسجد احمدیہ سول کوارٹرز میں انہی کے محکمہ P.W.O میں ملازم ہونے کے لئے محکمانہ امتحان ہونے والا تھا۔ محترم خواص خان صاحب نے مجھے مستونگ سے بلایا۔ امتحان میں شامل ہوا اور کامیاب ہوا اور مجھے P.W.O میں ملازمت مل گئی۔ میری پہلی ملازمت بطور اسسٹنٹ سٹور کیپر پشاور ہوئی۔ سٹور کیپر ایک ہندو ہزاری لال تھا اور چوکیدار حاجی ولی محمد تھا۔ میں نے دیکھا کہ سٹور میں سب سے زیادہ غبن ہوتا ہے۔ حاجی ولی محمد پتھر کا کوئلہ بیچ

لیتا تھا اس طرح ہزاری لال لوہے کی سلاخیں رنگ کے ڈبے اور سینٹ فروخت کرتا تھا۔ میں نے محترم خواص خان صاحب سے ان کی شکایت کی اور عرض کیا کہ ان حالات میں میں وہاں پر ملازمت نہیں کرسکتا۔

رشوت سے پاک نئی ملازمت

محکمہ بجلی کو چند پاس شدہ کلرکوں کی ضرورت تھی۔ محترم خواص خان صاحب نے مجھے محکمہ بجلی کو دے دیا اور میں دفتر چیف انجینئر بجلی میں بطور کلرک کام کرتا رہا اور اپنی اس حالت پر بہت خوش تھا۔ کیونکہ یہاں پر رشوت وغیرہ کا چکر نہیں تھا۔ ترقی کرتے کرتے میں سرکل دفتر میں سپریٹنڈنٹ ہوا کہ ایک دن میرے S.E نے مجھ سے پوچھا آج کیا خبریں ہیں۔ ان دنوں جنرل ایوب خان نے مارشل لاء نافذ کیا تھا۔ میں نے کہا کہ مجھے کچھ بھی علم نہیں ہے۔ انہوں نے پوچھا کہ کیا تمہارے پاس ریڈیو نہیں ہے۔ میں نے کہا میرے پاس ریڈیو نہیں ہے۔ انہوں نے فوراً جیب میں ہاتھ ڈال کر مجھے دوسو روپے دیئے دیا کہ جاؤ ابھی ریڈیو خرید لو۔ یہ عجیب بات ہے کہ آفس سپریٹنڈنٹ کے پاس ریڈیو نہیں ہے۔ ان دنوں دوسو روپے میں چھوٹا ریڈیو مل جاتا تھا۔ جو میں نے خرید لیا۔

ایک شرابی سے واسطہ

یہ S.E صاحب شراب کے سخت رسیا تھے۔ ایک دن ان سے شراب کے متعلق گفتگو ہوئی۔ انہوں نے جواب دیا میں کسی کو نقصان نہیں دیتا۔ کسی سے برائی نہیں کرتا خدا کو میرے ذاتی فعل سے کیا تعلق۔ اس مسئلہ پر ان سے کافی گفتگو ہوئی۔ آخر وہ اس بات پر آمادہ ہو گئے کہ میں شراب چھوڑ دونگا۔ مگر آہستہ آہستہ۔ یک دم چھوڑ نہیں سکتا۔ میں نے ان کو جواب دیا کہ آپ تاریخ کے خلاف کہتے ہیں۔ قرآن شریف میں جب حرمت شراب کا حکم آیا تو عرب لوگ جو شراب کے سخت رسیا تھے۔ حرمت شراب سننے سے فوراً شراب پینا چھوڑ گئے اور تاریخ بتلاتی ہے کہ اس دن مدینہ کی گلیوں میں شراب پانی کی طرح بہتی تھی۔ انہوں نے تھوڑے عرصہ میں شراب پینی بند کر دی مگر پھر شروع کر دی اور بعد میں زیادہ شراب کی وجہ سے ان کا جگر خراب ہو گیا اور وہ 48 سال کی عمر میں فوت ہو گئے۔

جماعتی ذمہ داریاں

خاکسار 17 سال تک جماعت احمدیہ پشاور میں بطور سیکرٹری مال کام کرتا رہا ہے۔ اس لمبے عرصہ تک بطور سیکرٹری مال رہنے کا مجھے یہ تجربہ ہوا ہے کہ جو احمدی با شرح چندہ دیتا رہا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی اولاد کو سرفراز

رکھا اور عجیب طرح ان کو دینی و دنیاوی ترقی عطا فرمائی اور جو احمدی چندہ دینے میں کمزور تھا تو اللہ تعالیٰ کا سلوک بھی اس کی اولاد کے ساتھ ایسا ہی رہا۔

حضرت غلام رسول راجیکیؓ کی خدمت

حضرت مولوی غلام رسول صاحب راجیکیؓ بطور مربی پشاور میں آٹھ سال سے زائد رہے۔ اس تمام عرصہ میں میری بیوی نے ان کے کپڑے دھو کر اور استری کر کے ان کو دیئے اور ان سے بے شمار دعائیں لیں۔

حضرت راجیکیؓ کا درس بڑا پُر لطف ہوتا تھا اور روحانیت کو جلا بخشنے والا تھا۔ وہ پنجابی زبان میں فرماتے تھے۔ ”او لوکو میرا درس سنو میں مسیح موعود دیاں اکھیاں ڈٹھیاں نیں“۔ یعنی او لوگو میرا درس سنو میں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زیارت کی ہے اور ان کی خوبصورت آنکھیں دیکھی ہیں۔ درس میں حضرت قاضی محمد یوسفؓ بھی ہوتے تھے اور احباب جماعت دور دور سے درس میں شامل ہوتے تھے۔ ہم سول کوارٹرز کے رہنے والے 3 میل کا فاصلہ پیدل طے کر کے ان کے درس میں شامل ہوتے تھے۔ کتنا روحانی ماحول تھا۔

مسجد احمدیہ سول کواٹرز کی بنیاد

حضرت مولوی غلام رسول صاحب راجیکیؓ نے ہی مسجد سول کوارٹرز کی بنیاد اپنے دست مبارک سے رکھی اور ایک لمبی دعا فرمائی۔ تعمیر مسجد سول کوارٹرز بھی ایک معجزہ ہے۔

سول کوارٹرز میں ایک کھلی جگہ پر غیر احمدی قناتیں لگا کر نمازیں با جماعت پڑھتے تھے۔ بعد میں ان کو خیال آیا کہ قناتوں کی جگہ ایک مستقل مسجد ہونی چاہیئے۔ اس کے لئے P.W.O کی اجازت ضروری تھی۔ کیونکہ سول کوارٹرز گورنمنٹ پراپرٹی تھی جو P.W.O کے تحویل میں تھی۔ سول کوارٹرز کے ہندوؤں کو جب علم ہوا کہ مسلمان مسجد کے لئے P.W.O کی زمین کے لئے درخواست دے رہے ہیں تو انہوں نے درخواست دے دی کہ ہم ہندو آبادی کو کوئی قطعہ دھرم سالہ بنانے کے لئے دیا جائے۔

جب یہ دونوں درخواستیں منسٹر کے پاس پہنچیں۔ جو مسٹر اجیت سنگھ ایک سکھ تھے۔ انہوں نے ریمارک دیا کہ سکھ ایک علیحدہ مذہب ہے سکھوں کو بھی زمین برائے گوردوارہ مہیا کی جائے۔ یہ مثل جب واپس چیف انجینئر P.W.O کے پاس آئی تو ان دنوں دفتر چیف انجینئر میں خان محمد

خواص خان صاحب بطور اسسٹنٹ سیکرٹری کے کام کرتے تھے۔ انہوں نے فائل پر لکھ دیا کہ احمدی ایک علیحدہ فرقہ ہے ان کی علیحدہ مساجد ہیں۔ غیر احمدی ان کو اپنی مسجدوں میں نمازیں پڑھنے نہیں دیتے۔ اس لئے احمدیوں کے لئے علیحدہ زمین کی گنجائش کی جائے۔ البتہ احمدیوں کی طرف سے یہ گذارش ہے کہ ہم کو مفت زمین نہ دی جائے بلکہ قیمتاً دی جائے۔ چیف انجینئر مسٹر ہنس ورتھ نے اس کے ساتھ اتفاق کیا۔

احمدیوں کو کہا گیا کہ وہ اپنے لئے موزوں زمین پسند کرلیں۔ سول کوارٹرز کے جنوبی جانب ایک ڈھیری تھی۔ چونکہ اس کا رقبہ زیادہ تھا اس لئے احمدیوں نے لکھا کہ ہمیں یہ ڈھیری فراہم کی جائے۔ اس قطعہ کا رقبہ ڈیڑھ کنال ہے۔

محکمہ P.W.O نے ایک اشتہار حسب قواعد شائع کیا کہ یہ زمین احمدیوں کو مسجد بنانے کے لئے سرکار دینا چاہتی ہے۔ جس کسی کو اعتراض ہو وہ اپنا اعتراض پیش کرے۔ اس پر غیر احمدیوں نے اعتراض کیا کہ اس ڈھیری سے ملحق مسلمانوں کا قبرستان ہے احمدی اذان دینگے۔ جس سے ہمارے مردوں کو تکلیف ہوگی اس لئے یہ مسجد یہاں پر بننے نہ دی جائے۔ حکومت نے یہ مسئلہ ایڈووکیٹ جنرل کو رائے کے لئے بھیجا۔ ایڈووکیٹ

جنرل ملک خدا بخش صاحب تھے۔ انہوں نے ریمارک دیا کہ قبرستان میں مردے کچھ نہیں سن سکتے۔ دوسرا یہ کہ میں نے احمدیوں کی اذان کو خود ایک احمدی کو بلا کر اس سے سنا ہے ان کی اذان اور مسلمانوں کی اذان میں کچھ فرق نہیں ہے بلکہ خدا ذوالجلال کی وحدانیت کی آواز ہے۔ یہ اعتراض فضول ہے۔

اس عرصہ میں محکمہ P.W.O نے دوسرا notification جاری کر کے یہ زمین احمدیوں کے حوالہ کر دی۔ ایک عرصہ تک یہ زمین ایسے ہی پڑی رہی۔ کچھ سمجھ نہیں آتا تھا کہ اس ڈھیری پر کیسے عمارت تعمیر کی جائے۔

پاکستان بننے کے بعد مرزا عبدالمجید صاحب D.S.P ریٹائر ہوئے۔ وہ دراصل اورسیئر پاس تھے مگر P.W.O میں رشوت کی وجہ سے وہ ملازمت چھوڑ کر پولیس میں بطور کلرک ملازم ہوئے اور بعد میں ریگولر پولیس میں آکر بطور D.S.P ریٹائر ہوئے۔ تمام عمر مرزا صاحب موصوف تھانوں کی بجائے دفتروں میں کام کرتے رہے۔ وہ I.G کے دفتر میں D.S.P تھے اور ان کو اس D.S.P پر بڑا اعتماد تھا۔

تعمیر مسجد

مرزا صاحب جب ریٹائر ہوئے تو ہم نے ان سے درخواست کی کہ اس ڈھیری پر ہمیں ایک مسجد بنا دیں۔ پاکستان بننے کے بعد سکھ اور ہندوؤ چلے گئے تھے سکھوں کا گوردوارہ خالی پڑا تھا۔ ہم میں سے بعض احمدیوں کا یہ خیال ہوا کیوں نہ اس گوردوارہ پر قبضہ کیا جائے۔ مگر میرے والد صاحب حضرت مولوی محمد الیاس صاحب مرحوم نے اس تجویز کی سختی سے مخالفت کی اور فرمایا۔ ہماری اپنی مسجد ہونی چاہیئے۔

مرزا صاحب فرمانے لگے مسجد تو میں بنا دوں گا مگر پہلے میرے ہاتھ میں 500 روپیہ رکھیں۔ ہمارے پاس 500 روپے تھے۔ مکرم بریگیڈیر ضیاء الحسن صاحب نے وعدہ کیا تھا کہ وہ اس مسجد کی تعمیر میں حصہ لیں گے۔ ان دنوں ضیاء الحسن صاحب فوج میں میجر تھے ان سے جب مطالبہ کیا گیا تو انہوں نے دو ہزار روپیہ دیا اور کہا کہ باقی بندوبست میں کردونگا۔

جب مرزا صاحب نے بلڈوزر منگوا کر اس زمین کو ہموار کرنے کی بات کی تو غیر احمدیوں نے بڑا شور کیا۔ انہوں نے کہا کہ ہم احمدیوں کی مسجد نہیں بننے دینگے اور ساتھ ہی عدالت میں مقدمہ دائر کر دیا کہ احمدی

غیر مسلم ہیں ان کی موجودگی میں ہمارے مُردوں کو تکلیف ہوگی۔ مجسٹریٹ قلندر خان صاحب تھے۔ جب شورش نے زور پکڑا تو چیف سیکرٹری مسٹر احمد نے چیف انجینئر کو ایک خط لکھا جس میں لکھا کہ رپورٹ ملی ہے کہ احمدی سرکاری کالونی میں مسجد بنا رہے ہیں۔ جس سے بہت بڑا فتنہ اٹھنے کی توقع ہے۔ لہٰذا اس مسجد کی تعمیر کو حکماً روک دیا جائے۔ مسجد کی تعمیر کے لئے پیش ازیں P.W.O سے نقشہ منظور کرالیا گیا تھا۔

اس خط کے ملنے پر مسٹر ہنس ورتھ چیف انجینئر نے خان خواص خان صاحب سے دریافت کیا کہ مسجد کی کیا پوزیشن ہے۔ انہوں نے جواب دیا ابھی تعمیر کی ابتدا ہے۔ چیف انجینئر نے کہا کہ مسجد کو جلد تعمیر کرلو اس پر احمدیوں نے یک دم چندہ جمع کر کے کوئی تیس ہزار کے قریب رقم جمع کی اور مکرم مولانا راجیکی صاحبؓ نے اس مسجد کی بنیاد رکھی۔ پھر محترم قاضی محمد یوسف صاحب نے دوسری اینٹ رکھی اور مسجد کی تعمیر شروع ہوگئی۔ علاقہ کا تھانیدار خان خواص خان صاحب کا دوست تھا۔ انہوں نے چند نفری بھیج دی جو کہ پہرہ دیتے تھے تا کہ کوئی شرارت نہ کرے مسٹر قلندر خان ہر پیشی پر ہمارے وکیل مرزا غلام حیدر خان سے علیحدہ پوچھتے کہ مسجد کی تعمیر میں کتنی دیر ہے اور پیشی دے جاتے۔

مسجد کا ایک کمرہ ایک ماہ میں بفضل تعالیٰ مکمل ہوا۔ خدام اور دیگر احباب نے بطور وقار عمل اس میں خوب کام کیا۔

خاکسار مرزا عبدالحمید صاحب کے ساتھ بطور معاون کام کرتا رہا تمام اکاؤنٹ کا حساب رکھتا اور مزدوروں پر بطور نگران بھی کام کرتا رہا۔

جب مسجد مکمل ہوگئی تو خواص خان صاحب نے چیف انجینئر کو اطلاع دی کہ مسجد مکمل ہوگئی ہے۔ اب چیف انجینئر نے چیف سیکرٹری کو اس کے خط کا جواب دیا کہ مسجد مکمل ہو چکی ہے۔ اس کی تعمیر کے بند کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ زمین گورنمنٹ نے احمدیوں کو خرید کر دی ہے اور احمدیوں نے P.W.O سے باقاعدہ اس کا نقشہ منظور کرایا ہے۔ تیسری بات یہ ہے کہ یہ خط آپ نے غلط دفتر کو لکھا ہے۔ تعمیر کو مسمار کرنا یا اس کی تعمیر کو روکنا پولیس کا کام ہے اس لئے اگر مسجد کو مسمار کرنا ہے تو بذریعہ پولیس کریں۔

ادھر خان قلندر خان کو بتلایا گیا کہ مسجد مکمل ہوگئی ہے۔ انہوں نے مقدمہ میں ایک تاریخ دی اور چونکہ حُسن اتفاق سے مخالف فریق حاضر نہیں تھے۔ مقدمہ خارج کر دیا اس طرح سے اللہ تعالیٰ نے ہم کو ایک عظیم الشان مسجد ایک اونچی پہاڑی پر دی۔ مسجد میں بجلی کی فٹنگ شیخ مظفر الدین

صاحب نے کی اور لاؤڈ سپیکر اور Amplifier بطور عطیہ دیا۔ دو سال بعد ان کی بیگم محترمہ وفات پا گئیں تو شیخ صاحب موصوف نے ان کی یاد میں ایک اور کمرہ عورتوں کے لئے تعمیر کرایا۔ چند سالوں بعد حضرت قاضی صاحب نے تیسرا کمرہ بھی بنا دیا اور ساتھ ہی دو کوارٹرز بھی بنا دیئے تا کہ مربی صاحبان وہاں پر رہ سکیں۔ اس طرح سے اب مسجد میں تین وسیع کمرے وسیع صحن اور دو مربیان کے لئے مکان ہیں۔

اب مکرم ارشاد احمد خان صاحب امیر جماعت احمدیہ نے اس مسجد میں بہترین غسل خانے وغیرہ بنوا کر اور مسجد کا فرش چپس کروا کر اور بھی خوبصورت کر دیا ہے۔ یہ مسجد پشاور میں احمدیوں کی جامع مسجد ہے۔

اس کے علاوہ ایک مسجد اور بھی ہے جو محلّہ جہانگیر پورہ پشاور شہر میں ہے۔ یہ مسجد مختصر ہے اور یہ ابتدائی احمدیوں کے لئے کافی تھی۔ یہ مسجد اس محلّہ میں ہے جہاں پر مولوی غلام حسن خان نیازی کا مکان ہے اور غیر مبائعین کی مسجد بھی ہے۔ یہ شہر والی مسجد جناب قاضی محمد یوسف صاحبؓ نے ایک ہندو کا گھر خرید کر مسجد بنائی ہے اور حضرت راجیکی صاحبؓ ایک عرصہ تک اس مسجد کے ایک مکان میں رہتے تھے۔

یہ مسجد پرانے زمانہ کی وجہ سے بوسیدہ ہو گئی تھی۔ خستہ حالت میں

تھی۔مگر کسی کو جرأت نہ پڑتی تھی کہ اس مسجد کی تعمیر نو کریں۔اتنے میں محکمہ میونسپلٹی نے نوٹس دیا کہ مسجد کی عمارت جو دو منزلہ ہے۔ہم اس کو مسمار کر رہے ہیں تاکہ گرنے سے محلّہ والوں کا نقصان نہ ہو۔

اس زمانہ میں برادرم عبدالقدوس خان امیر جماعت تھے۔انہوں نے احباب سے اس مسجد کی تعمیر کے لئے درخواست چندہ کی اور مرکز سے بھی درخواست کی۔مرکز نے پچاس ہزار روپیہ عنایت کیا۔مرزا مقصود احمد چیف انجینئر P.W.O نے نقشہ تعمیر کیا۔مسجد کو تھوڑا تھوڑا کر کے گراتے جاتے اور اس کی جگہ نئی مسجد تعمیر کی جاتی۔ایک سال کے اندر تین لاکھ روپیہ سے یہ مسجد بمعہ مکان مربی ومہمان خانہ بہت پختہ تعمیر ہوگئی۔الحمد للہ۔اس مسجد کے ماتھے پر کلمہ طیبہ سیمنٹ سے کندہ کیا گیا تھا جو پولیس نے حکومت کے آرڈر سے ہتھوڑوں سے کوٹ کوٹ کر مسمار کیا۔انا للہ و انا الیہ راجعون.

مزید جماعتی خدمات

خاکسار نے جماعت پشاور میں 17 سال بطور سیکرٹری مال کام کیا۔3 سال نائب امیر جماعت پشاور رہا۔3 سال سیکرٹری جائیداد رہا۔ اب جماعت احمدیہ پشاور میں قاضی کی ذمہ داری ہے۔مسجد احمدیہ سول

کوارٹرز کی تعمیر میں مرزا عبدالحمید صاحب کا مددگار و معاون رہا۔

شادی

مستونگ سے آنے کے بعد اور پشاور میں ملازمت کے بعد 1942ء میں خاکسار کی شادی بی بی عائشہ دختر کلان خان محمد خواص خان صاحب سے ہوئی۔ نکاح تین چار سال قبل ہو چکا تھا۔

اللہ تعالیٰ کی عطاء اولاد

میرا پہلا بیٹا ڈاکٹر حامد اللہ خان جو کہ حضرت ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب کا داماد ہے کی پیدائش مارچ 1943ء میں ہوئی۔ حضرت والد صاحب نے ان کا نام حامد اللہ رکھا۔ بی بی کے بطن سے مجھے اللہ تعالیٰ نے 5 لڑکیاں اور 2 لڑکے عطا فرمائے۔ جو بفضل خدا تعالیٰ سب صالح اور مخلص احمدی ہیں۔ اور ان کے رشتے بھی بفضل خدا تعالیٰ نیک اور صالح خاندانوں میں ہوئے ہیں۔

ڈاکٹر حامد اللہ کا رشتہ جیسا کہ میں اوپر لکھ چکا ہوں۔ ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب کی اکلوتی لڑکی عزیزہ امۃ الحیٔ سے ہوا ہے جو کہ حضرت نواب مبارکہ بیگمؓ کی نواسی ہیں۔ حامد اللہ کو اللہ تعالیٰ نے 2 لڑکیاں امۃ الولی عینی، عطیۃ الطیف اور 2 لڑکے قمر احمد حماد، داؤد احمد عطا کئے ہیں۔

بڑی لڑکی طیبہ بیگم ہے جس کی شادی مکرم ظفر اللہ خان بنگش سے ہوئی ہے۔ ظفر احمد خان بنگش مکرم نواب زادہ خان بہادر ظفر علی خان ریٹائرڈ کے پوتے ہیں نواب بہادر بہت مخلص احمدی تھے اور ان کے والد نے ان کو احمدیت کی وجہ سے اپنی جائیداد سے محروم الوارث کیا تھا۔ ان کا ایک لڑکا ظہور احمد خان ان کی وفات کے بعد تمام جائیداد کا وارث بنا۔ جس نے نالائقی سے تمام جائیداد برباد کر دی اور احمدی بیوی کو چھوڑ کر غیر احمدی عورت سے شادی کی۔ حضرت قاضی محمد یوسفؓ کو بہت فکر تھا کہ یہ مخلص خاندان برباد ہو رہا ہے۔ ان کو خیال پیدا ہوا اگر ظہور احمد خان کے لڑکے ظفر احمد کی شادی کسی مخلص احمدی خاندان میں ہو جائے تو یہ خاندان ابتلاء سے بچ جائے گا۔ حضرت قاضی صاحب نے مجھ سے اس رشتہ کے متعلق گفتگو کی۔ سب نے انکار کر دیا۔ پھر انہوں نے حضرت مرزا بشیر احمدؓ کو خط لکھا کہ وہ مجھے اس رشتہ کے متعلق تحریک کریں۔ حضرت میاں صاحب کا خط بھی آیا کہ حضرت قاضی صاحب کا یہ خیال ہے اگر ظفر احمد کا رشتہ آپ پسند کر لیں تو یہ خاندان ابتلاء سے بچ جائے گا۔ انہوں نے فرمایا کہ بعد دعا و استخارہ اگر شرح صدر ہو تو یہ رشتہ منظور کر لیں۔ اللہ تعالیٰ اس کے [illegible] بہت زیادہ [illegible] فرمائے گا۔ [illegible] حضرت میاں [illegible] کی

تحریک پر یہ رشتہ منظور کر لیا اور واقعی ایسا ہی ہوا جیسے کہ حضرت قاضی صاحب کا خیال تھا۔ احمد نگر میں صرف ظفر احمد اور اس کے بچے احمدی ہیں۔ باقی سب مرتد ہو گئے ہیں طیبہ کو اللہ تعالیٰ نے 2 لڑکیاں عطا کی ہیں قمر النساء عرف گڈو جس کی شادی مکرم مبارک احمد صاحب پراچہ سے ہوئی ہے جو کہ ایک مخلص احمدی نوجوان ہے۔ دوسری لڑکی فائزہ بیگم ہے جو کہ B.A پاس ہے۔ بڑا قمر احمد B.S.C انجینئرنگ پاس کر چکا ہے بہت مخلص نوجوان ہے اور دوسرا لڑکا توقیر احمد انجینئرنگ میں پڑھ رہا ہے۔

دوسری لڑکی صادقہ بیگم جو کہ M.S.C ہے جس کی شادی مکرم مبشر احمد پسر ماسٹر نور الحق صاحب مرحوم سے ہوئی۔ مبشر احمد صاحب مرچنٹ نیوی میں چیف انجینئر ہیں۔ ان کے ماشاء اللہ تین لڑکے مشہود احمد، محمود احمد اور مدثر احمد صاحب ہیں جو کہ بفضل تعالیٰ بہت لائق ہیں۔

تیسری لڑکی میمونہ بیگم ہے۔ جس کی شادی عبدالسمیع خان پسر مولوی عبدالرحمٰن صاحب فاضل مردان سے ہوئی ہے۔ میمونہ بیگم M.A,B.S.C, B.E.D ہیں اور مردان ہائی سکول میں ہیڈ مسٹرس ہیں۔ ان کے تین بچے ہیں۔ ایک لڑکا عمران احمد خان اور دو لڑکیاں ماھین اور سبین ہیں۔

چھوٹی لڑکی نصیرہ بیگم .M.S.C,M.Phil ہے۔جس کی شادی مکرم محمد احمد خان پسر مکرم غلام احمد صاحب سابق وکیل الزراعت ربوہ سے ہوئی ہے۔اس کی دولڑکیاں اور دولڑکے ہیں۔شاھد احمد عمیر احمد حنا اور ثناء۔

پانچویں لڑکی نیرہ مبارکہ ہے۔ یہ بفضل خدا M.A,B.S.C ہے۔ان کی شادی مکرم مبارک احمد پسر ماسٹر نورالحق چارسدہ سے ہوئی ہے۔مبارک احمد صاحب بہت مخلص اور ایماندار شخص ہیں۔آج کل محکمہ بجلی میں ایکسین ہیں۔ یہ چونکہ رشوت نہیں لیتے اس لئے موٹر کار ان کے پاس نہیں ہے۔ان کے ماشاء اللہ تین پسر سرمد احمد خان توصیف احمد خان اور سلمان احمد خان ہیں۔ جوکہ بفضل خدا تعالیٰ بہت لائق ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کو نیک اور صالح زندگی دے۔

دوسرا لڑکا حبیب اللہ خان ہے جوکہ B.A,L.L.B اور M.B.A (لندن) ہے۔ان کی شادی عزیزہ ماھم سے ہوئی ہے جوکہ حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی نواسی ،حضرت نواب امۃ الحفیظ بیگمؓ کی پوتی اور شاھد احمد خان کی لڑکی ہیں۔ ماھم بہت نیک اور صالح لڑکی ہے۔اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک لڑکی ملاحت عطا کی ہے جوکہ بہت پیاری بچی ہے۔

اللہ تعالیٰ اس کو خادم دین بنائے۔ اس بچی کی پیدائش سے پہلے ان کے والدین نے اعلان کیا تھا جو بھی بچہ ہو وہ واقف زندگی ہوگا۔ سو اس طرح سے پیاری ملاحت واقفہ زندگی ہے۔ اسی طرح سے ڈاکٹر حامد اللہ نے اپنے لڑکے قمر احمد حماد کو واقف زندگی کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ حقیر قربانی قبول فرمائے اور ان کو دین و دنیا میں ستاروں کی طرح روشن کرے۔ آمین۔

عزیزم حبیب اللہ کی بیماری اور شفا

عزیزم حبیب اللہ کو اللہ تعالیٰ نے تین چار دفعہ مہلک حادثات سے محفوظ رکھا۔ ایک دفعہ جب وہ ابھی کالج میں طالب علم تھا۔ بازار قصائی سے گوشت خریدنے گیا۔ اس نے گوشت کے ایک ٹکڑے کی طرف اشارہ کیا کہ اس ٹکڑے کو کاٹ کر مجھے دیں۔ قصائی نے لوہے کی سلاخ جس پر گوشت کی ران ٹانگی ہوئی تھی گوشت نکال کر اس کو چھوڑ دیا۔ وہ نوکدار سلاخ سیدھی عزیزم حبیب اللہ خان کی آنکھ میں لگ گئی۔ آنکھ ڈھلک گئی۔ قریب ہی ڈاکٹر محمد اسماعیل صاحب تھے ان کے پاس گیا تو انہوں نے حالت نازک دیکھتے ہوئے فوراً اس کو اپنی موٹر میں بٹھایا اور لیڈی ریڈنگ ہسپتال پشاور لے گئے۔ وہاں پر ڈاکٹر نواز خان نے آنکھ کا اپریشن کیا اور بتلایا کہ محض خدا کے فضل سے آنکھ کا ڈیلا بچ گیا ہے۔ اس سے کالی

عرصہ مریض رہا۔

دوسری دفعہ جب کہ وہ L.L.B کا سٹوڈنٹ تھا۔ چند لڑکوں کے ساتھ موٹر سائیکل پر نوشہرہ پکنک کے لئے گیا۔ واپسی پر رات کے وقت راستے میں ٹرک کی تیز روشنی کی وجہ سے حبیب اللہ سڑک چھوڑ کر سڑک کے کنارہ پر ہولیا۔ سڑک کے کنارے سڑک مرمت کرنے کے لئے بھاری بھاری پتھر پڑے تھے۔ جس سے ٹکرا کر حبیب اللہ سر کے بل گر گیا اور کافی چوٹیں آئیں۔ اس کے ساتھی اس کو نوشہرہ ہسپتال لے گئے مگر وہاں پر انہوں نے معمولی مرہم پٹی کرنے کے بعد رخصت کر دیا۔ حبیب اللہ کہتا ہے کہ میں نیم بے ہوشی کی حالت میں سن رہا تھا۔ ڈاکٹر کہہ رہا تھا کہ اس نے بچنا نہیں ہے اس لئے اس کو لے جائیں۔ اس کے ساتھیوں نے ہمت کر کے اس کو پشاور کے خیبر ہسپتال میں داخل کیا اور وہاں ماہر ڈاکٹر کے زیر علاج رہا اللہ تعالیٰ نے اس کو دوبارہ زندگی عطا کی۔ الحمد للہ

تیسری بار لندن میں جب کہ وہ M.B.A کر رہا تھا۔ مسجد احمدیہ میں شام کی نماز پڑھنے کے بعد اپنی جگہ واپس جا رہا تھا کہ سڑک کراس کرتے ہوئے ایک تیز موٹر نے اس کو ٹکر ماردی اور یہ سر کے بل گر گیا۔ سر پر [illegible] زخم [illegible] اور بے ہوش ہو گیا۔ [illegible] تھی اس کو

ہسپتال لے گیا۔ حضور انور کو اطلاع دی گئی۔ حضور انور نے حبیب اللہ کی صحت دریافت کرنے کے لئے ایک خاص آدمی کو معمور کیا جو ان کو وقتاً فوقتاً حبیب اللہ کی صحت سے مطلع کرتا رہے۔ حضور رحمہ اللہ کی توجہ اور دعاؤں سے اللہ تعالیٰ نے اس کو دوبارہ زندگی عطا کی۔ الحمدُ لِلّٰہ۔ برادرم ڈاکٹر سعید اللہ خان نے فون پر بتلایا کہ حبیب اللہ خان کا بچنا ایک معجزہ ہے ورنہ ایسے مہلک ایکسیڈنٹ سے بہت کم زندگی بچتی ہے۔ بلکہ ناممکن ہے اس نے بھی بتلایا کہ یہ سب حضور انور کی دعاؤں اور توجہ کا نتیجہ ہے۔

چوتھی بار پشاور میں وہ اپنی چھوٹی بہن نیرہ کو اس کے گھر صادق آباد موٹر سائیکل پر بٹھائے لے جارہا تھا کہ حیات آباد میں نیرہ مبارکہ کی چادر موٹر سائیکل کے پہیہ میں پھنس گئی اور نیرہ موٹر سائیکل سے گر گئی۔ چادر نیرہ کے گرد لپٹ گئی اور دور تک اس کو گھسیٹا۔ سر اور دیگر جسم پر سخت چوٹیں آئیں۔ ایک گھنٹہ بے ہوش رہی آنکھیں نکل آئی تھیں۔ کسی نہ کسی طرح حبیب اللہ اس کو ایک موٹر میں ڈال کر خیبر میڈیکل ہسپتال لایا۔ وہاں سے علاج شروع ہوا۔ حضور انور کو فون پر اطلاع کی گئی۔ حضور نے خاص توجہ اور دعا فرمائی اور نیرہ کی جان بچ گئی۔ الحمدللہ۔ نیرہ نے خط میں

مجھے لکھا ہے کہ ڈاکٹر کہتے ہیں کہ خوش قسمت ہو کہ شہ رگ بچ گئی۔ ورنہ موت یقینی تھی۔ یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے جو مجھ عاجز گناہ گار بندہ پر فرما رہا ہے۔

عزیزہ سیدہ امۃ الحئی اور عزیزم ڈاکٹر حامد اللہ کی شادی کے موقع پر مکرم ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب نے مجھ سے بہت احسان اور مروت کا سلوک کیا۔ اللہ تعالیٰ ان کو ان احسانات کا اجر عظیم عطا کرے۔

عزیزم حامد اللہ کی شادی

حامد اللہ کے رشتہ کے بارہ میں میں نے مکرم حضرت مرزا مبارک احمد صاحب سے عرض کیا۔ انہوں نے مجھے ایک خاندان کا پتہ بتایا۔ میں نے اس خاندان سے خط و کتابت شروع کی۔ مگر دوران خط و کتابت مجھے ان کی تحریر سے غرور و تکبر نمایاں نظر آرہا تھا اس لئے اس خاندان سے رشتہ کے متعلق میں نے خط و کتابت ختم کردی۔ اس کا ذکر میں نے مکرم حضرت مرزا مبارک احمد صاحب سے کیا۔ حضرت میاں صاحب ان دنوں ایبٹ آباد میں قیام پذیر تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ تم مکرم مرزا منور احمد صاحب کی لڑکی امۃ الحئی کے لئے کوشش کرو۔ میں نے مکرم میاں صاحب کو خط لکھا۔ مکرم میاں صاحب نے بغیر تردد کے چند مزید خط و کتابت کے

بعد رشتہ منظور فرمایا۔ میں نے ان کی خدمت میں تحریر کیا کہ چونکہ میرا لڑکا حامد اللہ انگلستان میں ہے اس کو بہت کم چھٹی ملے گی اس لئے اگر 15/20 دنوں میں رخصتی دے دیں تو بہتر ہوگا۔ حضرت میاں صاحب موصوف نے ایسا ہی کیا اور چند دنوں کے نوٹس پر رخصتی دے دی۔ جزاکم اللہ

بہت کم لوگوں کو میں نے ایسا متوکل اور مخلص انسان پایا ہے اور رشتہ کے بعد تو پھر انہوں نے مجھ سے بھائیوں جیسا سلوک کیا ہے اور ہر موقعہ پر اپنی محبت اور اخلاص کا اظہار فرمایا ہے اور میرے تمام بچوں کے ساتھ بہت پیار اور محبت کرتے ہیں۔

اس کے علاوہ بھی اللہ تعالیٰ مجھے عجیب طریقہ سے نوازتا رہا ہے۔ عزیزم ڈاکٹر حامد اللہ نے پشاور میں F.S.C کا امتحان دیا اور سیکنڈ ڈویژن میں امتحان پاس کیا۔ میں ان دنوں بنوں میں تھا۔ حامد اللہ کا بہت مایوس کن خط آیا کہ اب میری زندگی سوائے خاک بننے کے اور کیا ہے۔ میڈیکل کالج میں داخلہ کا شوق تھا جواب نہیں مل سکتا۔ میں نے اس کو لکھا کہ تم حوصلہ مت ہارو۔ داخلہ کے لئے فارم پُر کر دو۔ ادھر میں نے دعاؤں پر زور دیا۔ [illegible] خان [illegible] کے [illegible] درخواست

کی۔ اللہ تعالیٰ نے ایسا سامان فرمایا کہ اس سال کے داخل شدہ لڑکے دوسرے کالجوں مثلاً لاہور اور کراچی Migrate کر گئے اور اس طرح سے اللہ تعالیٰ نے حامد اللہ کو میڈیکل کالج میں داخلہ عطا فرمایا اور پھر اللہ تعالیٰ نے اس کو وظیفہ بھی عنایت فرمایا جس سے میرا بوجھ کچھ ہلکا ہوا۔ الحمدللہ

میں نے اپنی ملازمت کے دوران بہت سے احمدی لڑکوں کو ان کی ماہوار فیس دیکر تعلیم کی تکمیل میں مدد دی اور یہ ایسے خفیہ طریقہ سے کرتا تھا کہ اب تک میرے بیوی بچوں کو اس کا علم نہیں ہے۔ اگرچہ میری تنخواہ بس واجبی سی تھی۔ جس میں مشکل سے گھر کا گذارہ ہوتا تھا۔

ایک تجربہ اور قبولیت دعا

میں حلقہ سول کوارٹرز کا محصل بھی تھا۔ ایک دفعہ میرا پڑوسی عبدالغفور جو کہ محکمہ تعلیم کا کلرک تھا۔ اس کی بیوی نے بیماری کے پیش نظر مجھ سے کچھ رقم بطور قرضہ حسنہ کا مطالبہ کیا۔ میں نے اس کو کہا کہ میرے پاس چندہ کی رقم ہے۔ اسکو دوسو روپیہ کی ضرورت تھی۔ میں نے کہا یہ رقم میں تمہیں دے دیتا ہوں مگر اس ماہ کی دس تاریخ تک تم نے یہ رقم واپس کرنی ہے۔ دس گیارہ تاریخ کو مرزا عبدالمجید صاحب سیکرٹری مال تشریف لائے

کہ رسید بک اور رقم دے دیں تا کہ چندہ مرکز کو بھیجا جائے۔ میری بیوی گھر پر موجود نہ تھی۔ میں نے ان کو کہا کہ میں شام تک چندہ اور رسید بک آپ کو پہنچا دونگا۔ مرزا صاحب کے جانے کے بعد میں نے عبدالغفور کے گھر پر دستک دی کہ رقم دے دو مگر اس نے کہا کہ میرے پاس تو پہلی تاریخ کو رقم ہوگی اب نہیں ہے۔ میں اس مایوسی کی حالت میں دفتر گیا۔ سارا دن پریشان رہا اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا رہا کہ وہ میری لاج رکھ لے۔ دفتر سے واپس گھر آیا۔ تھوڑی دیر بعد پوسٹ مین نے دستک دی اور کہا کہ آپ کا دو سو روپیہ کا منی آرڈر آیا ہے وصول کرلیں۔ یہ رقم میرے بھائی عبدالقدوس نے مجھے کسی چیز کے خریدنے کے لئے بھیجی تھی۔ یہ رقم لے کر میں فوراً سجدہ میں گر گیا اور خدا تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ اللہ نے میری لاج رکھ لی ہے۔ وہ رقم اور رسید بک لے کر میں مرزا عبدالمجید صاحب کے گھر گیا اور ان کو دے دی۔ مگر اس سے تجربہ یہ ہوا کہ چندہ کی رقم کسی مصرف میں لانا بہت بری بات ہے۔ وصول شدہ چندہ امانت ہوتا ہے اور امانت کو کسی صورت میں بغیر اجازت استعمال میں نہیں لانا چاہئے۔

اس طرح کا ایک واقعہ چندہ خرد برد کرنے کا بنوں میں ہوا تھا۔ میں بنوں میں سرکل آفس میں سپریٹنڈنٹ تھا۔ بنوں میں بہت کم احمدی

احباب کی تعداد تھی۔ وہاں پر ایک دوست جو کہ محکمہ P.W.O. میں چپڑاسی تھا اور بنوں کی لوکل آبادی میں سے ایک اکیلا احمدی تھا۔ وہ چندہ وصول کرنے پر مقرر تھا۔ مگر چونکہ اس کی آمدنی کم تھی یہ چندہ کی رقم اس سے خرچ ہوگئی تھی۔ جماعت کے پریذیڈنٹ نواب زادہ محمد امین خان صاحب اس سے چندہ کے لئے مطالبہ کرتے اور وہ ہر بار کوئی نہ کوئی بہانہ بنا کر ٹرخا دیتا۔

ایک دن میں نے اس چپڑاسی دوست سے کہا کیا تمہارا کوئی لڑکا ہے۔ میں اس کو ملازم کرادونگا۔ مگر اس شرط پر کہ اس کی تنخواہ کی نصف رقم چندہ کے بقایا جات میں ادا کرو۔ وہ میرے پاس اپنا ایک لڑکا لایا جو کہ دراصل غیر احمدی تھا۔ مگر اس چپڑاسی دوست نے غلط بیانی سے کام لیا کہ یہ احمدی ہے۔ میں نے اس کو محکمہ بجلی میں بطور اسسٹنٹ لائن مین کے نوکر کرادیا اور ہر ماہ نصف تنخواہ اس کی وہ دوست نواب زادہ صاحب کو دے دیتے۔ چند ماہ بعد میرا تبادلہ پشاور ہوگیا۔ میرے جانے کے بعد اس دوست نے نواب زادہ صاحب کو رقم دینی بند کردی۔ خدا کی قدرت ایک سال بعد میرا تبادلہ بنوں ہوگیا۔ نواب زادہ صاحب نے مجھ سے فرمایا کہ وہ دوست اب مجھے رقم نہیں دیتے۔ ایک دن میں آفس میں بیٹھا تھا کہ وہ

لڑکا جس کو میں نے ملازم کرایا تھا میرے دفتر کے سامنے سے گذر رہا تھا۔ میں نے چپڑاسی کو بھیج کر اس کو بلایا۔ بہت پیار سے اس کو کرسی پر بٹھایا اور اس کو کہا کہ تم عجیب انسان ہو میرے جانے کے بعد نہ تم نے چندہ دیا ہے اور نہ اپنے والد کو چندہ کا بقایا ادا کرنے کے لئے نصف تنخواہ دی ہے۔ جس کا تم نے اور تمہارے والد نے وعدہ کیا تھا۔ اس نے کہا کہ میں احمدی نہیں ہوں۔ یہ آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے بعدازاں قریب کالونی کے امام مسجد کے پاس شکایت کی کہ سپریٹنڈنٹ صاحب مجھے زبردستی قادیانی بنانا چاہتے ہیں اور مجھ سے رشوت کے طور پر رقم کا مطالبہ کرتے ہیں کیونکہ انہوں نے مجھے ملازم رکھا ہے۔

امام صاحب نے خطبہ جمعہ میں مجھ پر عجیب عجیب الزمات لگا کر لوگوں کو میرے خلاف خوب بھڑکایا۔ بنوں کے علماء کے صدر مولانا عبدالرشید نے اپنی جامع مسجد میں میرے قتل کا فتویٰ دے دیا۔

مگر میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے بالکل نڈر رہا۔ رمضان کا مہینہ تھا۔ میں ایک دوست کو لے کر بجلی کالونی سے بنوں شہر جو کہ کافی فاصلہ پر ہے نماز تراویح پڑھنے جاتا۔ نواب زادہ صاحب نے مجھے منع بھی کیا کہ حالات خراب ہیں آپ نہ آیا کریں۔ مگر میرے دل میں مضبوط طریقہ سے

یہ خیال قائم تھا کہ اللہ تعالیٰ مجھے محفوظ رکھے گا اور اللہ تعالیٰ نے مجھے محفوظ رکھا۔

میرا یہ ذاتی خیال ہے کہ کم آمدن والوں کو کبھی بھی جماعت میں محصل مقرر نہ کیا جائے۔ ورنہ چندہ کی رقم کے خرد برد کا قوی امکان ہے۔

بطور قائد خدام الاحمدیہ کے

میں پشاور کی مجلس کا قائد خدام الاحمدیہ بھی رہا ہوں اور یہ انتخاب بھی بہت عجیب طریقہ سے ہوا۔ ربوہ میں مجلس خدام الاحمدیہ کا سالانہ اجتماع تھا اور پشاور سے بھی خدام گئے تھے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ سے ملاقات کے وقت حضور نے ہمارے قائد صاحب سے دریافت فرمایا کہ تم کس جگہ کے رہنے والے ہو تو انہوں نے جواب دیا کہ میں قادیان کا رہنے والا تھا اور اب پشاور میں ملازمت ہے۔ اس دوست کا نام مکرم ارشاد احمد صاحب تھا۔ اس پر حضور انور نے فرمایا تم پنجابی ہر جگہ چودھری بننے کی کوشش کرتے ہو لوکل لوگوں کو کیوں آگے نہیں لاتے کہ ان کو کام کرنے کا طریقہ سکھلایا جائے۔ واپس جا کر ایک لوکل احمدی کو قائد بناؤ۔ اجتماع سے واپسی پر مجھے قائد خدام الاحمدیہ مقرر کیا گیا۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے کام کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ ربوہ جلسہ سالانہ پر جب خدام کی ضرورت

پیش آئی کہ دیگوں کو مستورات کے کیمپ پہنچانا ہے کیونکہ مزدوروں نے Strike کی تھی تو میں نے پشاور کے خدام کے ساتھ مل کر یہ سب کام کیا۔ جس کا ذکر مولوی عبد المنان صاحب افسر جلسہ سالانہ نے اخبار الفضل میں کیا اور میرے وقت میں خدام بہت فعال تھے۔ دونوں مساجد کی اور احمدیہ قبرستان کی صفائی اور مرمت اور دیگر اجتماعات پر تمام کام سنبھالتا۔ یہ سب خدا کا فضل ہے۔ ورنہ من آنم کہ من دانم۔

ایک نہ بھولنے والی دعوت

ایک دفعہ مجلس مشاورت کے موقع پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے دعوت کی تھی۔ جس میں ہم کل چھ افراد تھے۔ خاکسار، حضرت قاضی صاحب، مکرم شرما صاحب اور تین بنگال کے نوجوان۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے دفتر کو لکھا کہ قاضی صاحب کے ساتھ جوان کے عزیز بیٹھے تھے وہ بھی دعوت میں شامل ہونگے۔ دفتر والوں نے حضرت قاضی صاحب سے ان کے عزیز کے متعلق دریافت کیا۔ قاضی صاحب اس وقت بھول گئے تھے کہ میں ان کے دائیں ہاتھ بیٹھا تھا۔ حضرت قاضی صاحب نے اپنے بھتیجے قاضی اسماعیل صاحب کا نام لیا جو وہاں کالج میں پڑھتے تھے۔ حضور نے فرمایا نہیں انکا نام اور ہے۔ قاضی

صاحب سے پھر دریافت کیا گیا۔ قاضی صاحب نے اپنی یاداشت پر زور دیا اور پھر میرا نام لیا۔ جب میرا نام حضور کو پیش ہوا تو حضور نے فرمایا۔ یہ ہی وہ نوجوان ہے جو دعوت میں مدعو ہے۔ میں نے پہلی دفعہ حضور کو صرف سادہ لباس میں بیٹھے دیکھا۔ حضور سادہ تھے۔ سر پر عمامہ نہیں تھا۔ گلے کے بٹن کھلے تھے۔ کافی پر تکلف کھانا تھا۔ حضور کے سامنے کچھ بھنے ہوئے گوشت کے ٹکڑے پڑے تھے۔ حضور انور نے تھوڑی دیر بعد گلاس سے کچھ پانی پی کر گلاس کو میز پر رکھ دیا۔ جس کو فوراً شرما صاحب نے لے کر بطور تبرک خود بھی پیا اور اپنے بنگالی لڑکوں کو بھی پلایا۔ حضور یہ سب نظارہ دیکھ رہے تھے تھوڑی دیر بعد حضور نے اس بھنے ہوئے گوشت سے معمولی ٹکڑا لے کر باقی رکابی میرے سامنے رکھ دی جس کو میں نے بطور تبرک کھایا اور حضور کی ذرہ نوازی پر حیران ہوا۔ میں نے دیکھا کہ حضرت قاضی صاحب بہت چھوٹا لقمہ لے کر منہ میں ڈالتے اور حضور سے مصروف گفتگو تھے۔ بعد میں میں نے حضرت قاضی صاحب سے پوچھا کہ آپ نے بہت کم کھانا کھایا ہے تو وہ فرمانے لگے کہ ادب ملحوظ خاطر تھا۔ حضور کے سامنے کھانا بہت مشکل امر ہے تم نوجوان کر سکتے ہو کیونکہ تم لوگوں کو اس شخص کے مقام کا علم نہیں ہے۔

حفاظت مرکز

خاکسار 1947ء میں ایک قرعہ کی بنا پر پشاور کی طرف سے صوفی غلام محمد صاحب کے ساتھ جو کہ اب بہشتی مقبرہ میں مدفون ہیں بطور وفد کی حفاظت کی ذمہ داری سے گیا تھا۔ انڈین گورنمنٹ نے چونکہ سرحد سیل کر دی تھی۔ اس لئے ہم تمام دوست جو حفاظت مرکز کے سلسلہ میں آئے ہوئے تھے رتن باغ میں ٹھہرائے گئے اور اس میں فوجی مشق شروع کرائی گئی جو جمعدار صاحب جو کہ خوست افغانستان کے رہنے والے تھے کراتے تھے۔ عرصہ تین ماہ کے لئے یہ وقف تھا۔ وقف عارضی کے ختم ہونے پر خاکسار حضور انور سے رخصت لینے کے لئے ملاقات کے لئے حاضر ہوا۔ جب میں حضور انور کے سامنے پیش ہوا تو حضور نے میری طرف توجہ نہیں فرمائی بس اتنا فرمایا ''تسیں وی نٹھ آئے او'' یعنی تم بھی بھاگ کر آ گئے ہو۔ میں حیران ہوا۔ میں نے حضور انور سے عرض کی کہ میں حضور انور کا مدعا نہیں سمجھا۔ اس پر حضور نے فوراً آنکھیں کھولیں اور فرمایا اچھا تم پٹھان ہو دراصل میں نیچے کا نام پڑھ گیا تھا غلطی ہو گئی ہے۔ پھر میری دل جوئی کے لئے میرے والد صاحب کے متعلق دریافت فرمایا اور پھر خاندان کے تمام افراد کو یاد فرمایا جن کو حضور جانتے تھے اور ہر بار یہ بھی فرماتے مجھ سے غلطی

ہوگئی ہے دراصل میں نیچے کا نام پڑھ گیا تھا۔ا

رخصت ہوتے وقت حضور میرے ساتھ دروازہ تک تشریف لائے اور پھر فرمایا دراصل میں نام غلط پڑھ گیا تھا غلطی ہوگئی تھی اور شرم کے مارے میرے منہ سے لفظ نہیں نکلتا تھا بلکہ آنکھوں سے آنسو جاری تھے کہ حضور کو کتنی تکلیف ہو رہی ہے۔

بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ میرے بعد جو نام تھا۔ وہ قادیان سے بھاگ آیا تھا اس کو حضور نے حکم فرمایا کہ اب قادیان چلے جاؤ اور شام تک تمہاری وہاں پر موجودگی کی رپورٹ ملنی چاہیئے اور وہ دوست روتے ہوئے حضور کے دربار سے نکلا اور سیدھا قادیان چلا گیا اور پھر رپورٹ مل گئی کہ وہ دوست قادیان خیریت سے پہنچ گیا ہے۔

خدمت خلق

بنوں میں مجھے اللہ تعالیٰ نے توفیق دی میں نے چار احمدیوں کو ملازمتیں دلوائیں۔ راولپنڈی میں جب کہ وہاں پر ایک نیا سرکل کھلا تھا 17 احمدیوں کو بطور اوورسیئر، کلرک، ہیلپر، اور اسسٹنٹ لائن مین لگوایا۔ میرے خلاف شکایت بھی ہوئی کہ عبدالسلام نے سرکل میں سب احمدی بھرتی کر لئے ہیں۔ انکوائری ہوئی تو میں نے جواب میں کہا کہ احمدیت کا

سوال نہیں ہے سب پاکستانی ہیں اور ہر ایک کا S.E صاحب نے انٹرویو کیا ہے اور قابلیت کی بنا پر لیا ہے۔

میں نے کوئی ساڑھے تین سو لوگوں کو ملازمت دلوائی مگر کوئی رشوت نہ لی۔ مگر افسوس کہ میرا ایک ہیڈ ڈرافٹس مین جو کہ احمدیت میں بہت دلچسپی لیتا تھا رشوت لے کر میرے پاس سفارش کر دیتا تھا اور میں اس کی سفارش پر اس شخص کو ملازمت کی آفر دے دیتا تھا۔ یہ بعد میں معلوم ہوا کہ لوگوں کو نوکر کرانے میں اپنے کسی عزیز سے عزیز پر اعتبار نہیں کرنا چاہیئے۔

ایک دفعہ میری بیوی کے چچا کا لڑکا جو کہ غیر احمدی ہے جس کو میں نے محکمہ بجلی میں ملازم کرایا تھا میرے گھر راولپنڈی آیا اور فروٹ کی ایک ٹوکری لایا۔ دوران گفتگو وہ کہنے لگا کہ فلاں S.M.S کو فلاں اسٹیشن تبدیل کرنے کی سفارش کرنے آیا ہوں۔ میں نے کہا ابھی دفتر چلتے ہیں۔ میں اس کی فائل منگا کر اس کو تبدیل کر دونگا یہ کوئی مشکل امر نہیں ہے۔ جب میں گھر سے باہر نکلا تو وہ شخص بھی باہر بیٹھا ہوا تھا۔ میرے ساتھ ہو لیا اور کہنے لگا میں فلاں شخص ہوں مجھے اسٹیشن کا نام بھی اس نے بتلایا اور کہا کہ میں نے رشید خان سے اس کے متعلق بات کی ہے۔ میں نے کہا ہاں رشید

خان نے مجھ سے تمہاری سفارش کی ہے پھر وہ کہنے لگا کہ رشید نے مجھ سے تین سو روپیہ بھی لیا ہے تا کہ آپ کو دوں اور میں نے میوہ کا ٹوکرا بھی رشید خان کے ہاتھ بھیجا ہے۔

یہ واقعہ سن کر مجھے سخت رنج ہوا۔ میں واپس گھر گیا۔ رشید خان ابھی وہاں پر موجود تھا۔ میں نے میوہ کا ٹوکرا اٹھا کر اس کے منہ پر مارا اور اس کو کہا کہ میرے گھر سے نکل جاؤ۔ میری بیوی حیران تھی کہ کیا بات ہوئی ہے میں نے سب واقعہ بیان کیا تو اس کو بھی افسوس ہوا۔ اس واقعہ سے مجھے اتنا رنج ہوا کہ مجھے شدید بخار ہو گیا۔ میرا تجربہ یہ ہے کہ ملازمت کے سلسلہ میں سفارش قبول کرنے میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔ عزیز سے عزیز رشتہ دار بھی دھوکہ دے جاتے ہیں۔

اپنی ملازمت کے دوران میں جہاں بھی رہا۔ احمدیت کی وجہ سے میرے افسران بڑا لحاظ اور ادب کرتے تھے اور مجھ پر اعتبار کرتے تھے اور کہتے تھے کہ آپ جو کچھ بھی کریں ہمیں آپ پر اعتبار ہے کہ آپ غلط کام نہیں کریں گے۔ مگر بعض دوست ایسے بھی ہیں جو احمدیت کو چھپاتے ہیں۔ حضرت قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ لنڈی کوتل میں ایک احمدی دوست تھے اور وہ یہ کہتے تھے کہ 20 سال سے میں لنڈی کوتل میں ہوں

اور کسی کو علم نہیں ہے کہ میں احمدی ہوں اور بہت اچھا گذارہ ہورہا ہے کوئی مخالفت نہیں ہے۔

دعوت الی اللہ

میں راولپنڈی میں ملازم تھا۔ ایک دفعہ پشاور سے راولپنڈی بذریعہ ٹرین جارہا تھا۔ اکوڑہ خٹک پر جامعہ اکوڑہ خٹک کے چند علماء ٹرین میں سوار ہوئے اور وہ اپنے ایک عالم دوست کی پیشوائی کے لئے جارہے تھے جو کہ حج سے واپس آرہا تھا۔ ان کی عالمانہ گفتگو سن کر میں ان کے قریب ہوااور ہر ایک سے ان کی خیریت دریافت کی معلوم ہوا کہ وہ اکوڑہ خٹک کے جامعہ کے اساتذہ ہیں۔ میں نے ان سے گفتگو شروع کی اور ان کو کہا کہ تم لوگ سڑک کنارہ پر رہتے ہو تمہارا جامعہ برلب سڑک ہے۔ کیا کبھی تم لوگوں نے ان غیر مسلموں کو تبلیغ کی جو اس راستہ سے پشاور سیر کے لئے جاتے ہیں کیا تم لوگوں کے پاس اسلام کے متعلق انگلش یا دوسری زبانوں میں لٹریچر ہے، اس قسم کی اور باتیں میں نے کیں اور ان کو ان کی ذمہ داریوں کی طرف متوجہ کیا۔ بڑی دیر تک اس قسم کی گفتگو ہوتی رہی۔ اس گفتگو سے ان علماء پر یہ تاثر ہوا کہ میں بھی ایک عالم آدمی ہوں۔ انہوں نے مجھ سے میرا ایڈریس پوچھا جو میں نے بتلا دیا۔ وہ تمام علماء پنڈی میں

اپنے ایک عزیز لائن سپر یٹنڈنٹ کے گھر شب باش ہوئے۔ وہاں پر انہوں نے اس لائن سپر یٹنڈنٹ سے میرا ذکر کیا تو لائن سپر یٹنڈنٹ نے ان کو بتلایا کہ وہ تو قادیانی ہے۔ اس پر ایک عالم نے یہ تہیہ کیا کہ وہ مجھ سے مل کر مجھے مسلمان بنائے گا۔

ایک دن رات کے 12 بجے جب کہ سخت بارش ہو رہی تھی۔ پنڈی سیٹلائٹ ٹاؤن کے بلاک میں میرا دروازہ کھٹکھٹایا گیا۔ جب میں نے دروازہ کھولا تو ایک باریش شخص کھڑا تھا جس کو میں نہیں جانتا تھا۔ اس نے کہا کہ میں تم سے ملنے آیا ہوں اور مجھے تمہارے ڈھونڈنے میں دو گھنٹے لگ گئے ہیں۔ میں نے کہا کہ میں تم کو نہیں جانتا۔ اس نے بتلایا کہ میں ان علماء میں سے ایک ہوں جو ٹرین میں اکوڑہ خٹک سے سوار ہوئے تھے اور میں آپ کا مہمان ہوں۔ میں نے دروازہ کھولا اور ان کو اندر کمرے میں لایا اور پوچھا کیا آپ نے کھانا کھایا ہے تو اس نے نفی میں جواب دیا۔ میں نے جلد اپنی بیوی کو جگایا اور کہا کہ ایک مولوی صاحب مہمان آئے ہیں ان کے لئے فوراً کھانے کا انتظام کرو اور یہ کہہ کر میں فوراً مولوی صاحب کے پاس گیا۔ انہوں نے گزشتہ گفتگو کا حوالہ دیا اور بتلایا کہ تم نے یہ ظاہر نہیں ہونے دیا کہ تم قادیانی ہو۔ میں اب تمہیں مسلمان کرنے

آیا ہوں۔ میں نے کہا کہ مولوی صاحب اس وقت نہ تو کتابیں آپ کے
پاس ہیں نہ میرے پاس ہیں جس سے حوالے پیش کئے جاسکیں۔ صرف
ایک قرآن مجید ہے۔ جو میرے اور آپ کے درمیان فیصلہ کرنے کے لئے
کافی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ قرآن مجید سے بڑھ کر اور کیا مضبوط دلیل ہو
سکتی ہے۔ آپ اپنا اعتراض پیش کریں۔ میں قرآن پاک سے جواب
دونگا۔ اس نے کہا کہ بنیادی مسئلہ ہم میں اور آپ میں حیات و ممات مسیح
ہے۔ ہم کہتے ہیں عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام زندہ ہے اور واپس آئے گا۔ اس
لئے مرزا صاحب کا دعویٰ صداقت پر مبنی نہیں ہے۔ میں نے کہا کہ اگر
قرآن پاک سے عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات ثابت ہو جائے تو پھر
مرزا صاحب کا دعویٰ قابل غور ہوگا۔ اس نے کہا کہ قرآن پاک میں ہرگز
عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کا ذکر نہیں ہے۔ میں نے کہا کہ مولوی
صاحب دنیا میں عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تین حیثیتیں پیش کی جاتی ہیں۔
ایک بطور خدا۔ اس نے کہا کہ ہم تو عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خدا نہیں
مانتے۔ میں نے کہا آپ نہیں مانتے مگر تمام عیسائی دنیا اس کو خدا اور خدا کا
بیٹا مانتے ہیں۔ اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ بطور خدا اور خدا کے بیٹے کی
حیثیت میں عیسائی دنیا اس کو پیش کرتی ہے۔ اس لئے ایک حیثیت تو اس کو

بطور خدا کے حاصل ہے۔ میں نے ان سے کہا کہ میں ان کی ہر حیثیت پر موت از روئے قرآن پیش کرونگا۔ دوسری حیثیت انکی بطور انسان کے ہے۔ تیسری حیثیت بطور نبی کے ہے۔ تفسیر صغیر میرے پاس موجود تھی اس میں سے حوالے دیکھ کر میں پیش کرتا تھا۔ پہلی دلیل بطور خدا۔ اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتا ہے کہ جس کو تم خدا پکارتے ہو۔ وہ سب مردہ ہیں زندہ نہیں ہیں۔ بلکہ انکو یہ بھی علم نہیں کہ ہم کب اٹھائے جائیں گے۔ میں نے قرآن مجید کی یہ آیت پیش کی والذین یدعون من دون اللہ لا یخلقون شیئا وھم یخلقون۔ اموات غیر احیاء وما یشعرون ایان یبعثون (النمل:22-21) اس دلیل پر وہ بالکل خاموش ہو گیا اور کہا کہ یہ تو عیسائیوں کا عقیدہ ہے۔ اس سے ہمارا کوئی کام نہیں ہے۔ میں نے کہا بطور خدا کے عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام فوت ہو گئے ہیں تو اس نے کہا چونکہ ہم عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خدا نہیں مانتے اس لئے ہمارے لئے یہ دلیل کار آمد نہیں ہے۔ میں نے کہا دوسری حالت اس کی بطور انسان کے ہے۔ اس کے متعلق اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتا ہے کل نفس ذائقة الموت. ثم الینا ترجعون (العنکبوت:29) کہ ہر ذی نفس کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ذی نفس

تھے اور فرمایا کہ اس کے بعد اس ذی نفس نے میرے پاس آنا ہے۔ یعنی **ثم الینا ترجعون** کہ خداتعالیٰ کے پاس اس کا جانا موت کے بعد ہے موت سے پہلے نہیں۔ اس پر اس نے کہا کہ یہ دلیل کوئی وزنی دلیل نہیں ہے۔ پھر میں نے کہا عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تیسری حالت بطور نبی کے ہے۔ تو اللہ تعالیٰ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق فرماتا ہے کہ یا عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ابن مریم **قد خلت من قبله الرسل** (مائدہ:76) یعنی عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام صرف ایک رسول تھے۔ اس سے پہلے کل انبیاء گذر چکے ہیں سب فوت ہو چکے ہیں اور کوئی زندہ نہیں ہے۔ اب اس آیت کی رو سے صرف عیسیٰ موت سے بچ گئے ہیں اور دوسری جگہ اللہ تعالیٰ رسول پاک ﷺ کے متعلق فرماتے ہیں **وما محمد الا رسول قد خلت من قبل الرسل** یعنی محمد ﷺ صرف ایک رسول ہیں اور ان سے پہلے تمام انبیاء فوت ہو گئے ہیں۔ اب عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام جو کہ موت کے پہنچنے سے بچ گئے تھے وہ بھی اس آیت کی رو سے فوت ہو گئے ہیں۔

میرے ان سوالوں کا اس مولوی پر کچھ ایسا اثر ہوا کہ وہ مبہوت ہو گیا اور صاف کہا کہ ان آیات کی رو سے تو عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام واقعی

فوت شدہ ثابت ہوتے ہیں۔ پھر میں نے یاعیسیٰ انی متوفیک والی آیت پیش کی اور مولوی صاحب سے کہا کہ حضرت مرزا صاحب نے آپ کے لئے اس میں ایک دلیل دی ہے۔ وہ یہ کہ جب ذی روح مفعول ہو اور اللہ تعالیٰ مفعول علیہ ہو تو توفی کے معنی سوائے قبض روح کے اور کچھ نہیں نکلتے۔ آپ عالم ہیں اس دلیل پر غور فرمائیں اور پھر یاعیسیٰ انی متوفیک کا ترجمہ کریں۔ ان مولوی صاحب کو غالباً خیال آیا ہوگا کہ میں صرف ونحو کا بہت بڑا عالم ہوں مگر مجھے صرف ونحو کی الف ب بھی نہیں آتی۔ مولوی صاحب اس دلیل پر بولے چلو مان لیا کہ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام فوت ہو گئے ہیں۔ مگر اس سے کیسے ثابت ہوا کہ مرزا صادق ہیں۔ اس پر پہلے تو میں نے اسلام میں کسی مامور کے آنے کے متعلق سورۃ صف اور سورۃ جمعہ کی آیات پیش کیں اور کہا کہ ان کی رو سے ایک مامور کی آمد کی پیشگوئی ہے۔ جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہدی اور مسیح کا نام دیا ہے۔ اس لئے ایک شخص نے ضرور آنا ہے۔ مگر میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ قرآن پاک میں ایک سچے مامور کی صداقت کے متعلق کیا دلائل ہیں اور آپ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت از روئے قرآن کیسے ثابت کریں گے۔ اس نے کہا کہ کیا تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر شک لاتے ہو۔ میں نے کہا کہ آپ

مجھے غیر مسلم کہتے ہیں تو مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کے متعلق قرآن پاک سے دلیل دیجئے۔ وہ کوئی معقول دلیل نہ دے سکا۔ اس پر میں نے اس کو قرآن مامور سنن اللہ کے متعلق کچھ دلائل دیئے۔ صبح چار بجے تک یہ گفتگو ہوتی رہی۔ خدا تعالیٰ کا فضل و کرم تھا کہ مولوی صاحب کو اللہ تعالیٰ نے بدل دیا اور صبح کے وقت چائے پینے کے بعد وہ اکوڑہ خٹک چلے گئے۔ وہاں سے انہوں نے مجھے خط لکھا کہ از روئے قرآن عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام فوت شدہ ہیں۔ مگر اگر میں احمدی ہو جاؤں تو میری روزی کا کیا بنے گا۔

والدین کی خدمت

میرے والد صاحب جب میں پشاور آیا تو کافی بوڑھے ہو چکے تھے اور باوجود میرے اصرار کے وہ مستونگ چھوڑ کر میرے پاس پشاور نہیں آتے تھے اور وہاں پر بالکل اکیلے تھے۔ میں نے چھٹی لی اور مستونگ گیا اور ان کو بہت منت سماجت سے راضی کیا اور ان کو اپنے پاس پشاور لا یا۔ مگر ان کی شرط یہ تھی کہ وہ مجھے کھانے کا خرچ دیتے رہیں گے جو میں نے منظور کر لیا۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے والدین کی کماحقہٗ خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ الحمدللہ۔

ایک دن حضرت والد صاحب میرے خسر محمد خواص خان صاحب سے فرمانے لگے کہ حدیث میں آیا ہے کسی کی بے جا تعریف نہ کی جائے میں عبدالسلام کے متعلق جائز تعریفی کلامی سے رہ نہیں سکتا اور فرمایا کہ میں عبدالسلام سے بہت خوش ہوں۔ بعد میں خواص خان صاحب نے مجھے حضرت والد صاحب کے ان ریمارکس سے مطلع کیا اور مجھے مبارک باد دی۔ الحمد لله ثم الحمد لله

حضرت والد صاحب کی وفات بھی میرے گھر پر ہوئی۔ عید کے دوسرے دن اپنے گھر کے دالان میں درس قرآن دے رہے تھے دوستوں کے چلے جانے کے بعد ان کی دماغ کی رگ پھٹ گئی اور وفات پا گئے۔ حضرت والد صاحب موصی تھے۔ ان دنوں ابھی ربوہ کا بہشتی مقبرہ نہیں بنا تھا۔ ان کو پشاور احمدیہ قبرستان میں دفن کیا گیا اور ان کی یادگاری تختی بہشتی مقبرہ قادیان میں لگوائی گئی۔ حضرت مولانا راجیکی صاحبؓ نے ان کی وفات پر فرمایا تھا کہ جس نے ولی اللہ کو دیکھنا ہو تو حضرت مولوی محمد الیاس صاحب کو دیکھ لے جو اب دفن ہونے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان کی دعاؤں کا مستحق بنائے۔

والد محترم کا احسان عظیم

ان کا ہم پر بہت بڑا احسان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو مشکل وقت میں قبول احمدیت کی توفیق دی اور انہوں نے یہ نعمت عظیم ہمیں وراثت میں دی۔ یہ اتنا بڑا عظیم احسان ہے جس کا شکریہ ادا کرنے سے ہم قاصر ہیں یعنی احمدیت جیسی نعمت ہمیں وراثت میں ملی ہے۔ الحمدللہ

اپنی اولاد سے ایک نصیحت

اب میں اپنی اولاد سے کہتا ہوں کہ اس نعمت کی قدر کرو اور شکریہ کے طور پر ان کا چندہ تحریک جدید جب تک تم لوگوں کو توفیق ہو جاری رکھو اور ان کی مغفرت کی دعائیں کرو کہ ان کے ذریعہ سے یہ نعمت ہم کو ملی ہے۔ حضرت والد صاحب احمدیت کی ایک جیتی جاگتی تصویر تھے۔ تبلیغ احمدیت ان کا مشغلہ تھا۔ قرآن سے ان کو محبت تھی اور خلیفہ وقت کے عاشق تھے۔ پارسا، تہجد گذار اور دعا گو تھے۔ با اخلاق اور خندہ رو تھے۔ چھوٹوں اور بڑوں کی بڑی عزت و احترام فرماتے تھے۔ چار جوان لڑکوں کی وفات کا صدمہ تھا مگر اتنا قوی صبر تھا کہ کسی کو علم بھی نہ تھا کہ انکو اتنا صدمہ پہنچا ہوا ہے۔ خدا تعالیٰ ان کو غریق رحمت فرمائے۔ ہم پر ان کا بہت بڑا احسان ہے۔

بیٹے کی پیدائش کی خوشخبری

حامد اللہ کے بعد میری پانچ لڑکیاں یکے بعد دیگرے ہوئیں۔ میری ایک اور لڑکے کی پیدائش کی خواہش تھی۔ اس کے لئے بڑی دعائیں کیں۔ حضرت راجیکی صاحبؓ سے بھی دعا کے لئے عرض کیا۔ ابھی میری بیوی ابتدائی حمل سے تھی۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ بوڑھا نورانی شکل کا انسان مجھے پنجابی میں فرمانے لگا کہ ”تیرے پائی دے گھر لڑکا پیدا ہویا اے“ یعنی تیرے بھائی کے گھر لڑکا پیدا ہوا ہے۔ صبح میں نے اپنی بیوی سے کہا کہ مجھے خوشخبری ملی ہے کہ لڑکا پیدا ہوگا۔ سو اللہ تعالیٰ نے رحم کیا اور حبیب اللہ پیدا ہوا۔ الحمد للہ ثم الحمد للہ۔ میرے خسر خواص خان صاحب نے فرمایا کہ انہوں نے خواب میں دیکھا ہے کہ عبدالسلام کے گھر جعفر صادق تشریف لائے ہیں۔

1974ء کے حالات

1974ء میں جب بھٹو نے ہم لوگوں کو غیر مسلم قرار دیا تو تمام پاکستان میں احمدیوں کو بہت تنگ کیا گیا۔ احمدیوں کے گھروں کو جلایا گیا، سامان لوٹا گیا اور احمدیوں کو شہید کیا گیا۔ پشاور میں بھی یہی حال تھا۔ یونیورسٹی کیمپس میں 14 احمدیوں کے مکانات کو لوٹا گیا اور جلایا گیا۔ میرا

مکان شاہین ٹاؤن بھی مخالفوں کی زد میں تھا میں بہت دعائیں کرتا تھا کہ اللہ تعالیٰ ہم کو اس مصیبت سے نجات دے۔ یونیورسٹی کے لڑکوں نے یونیورسٹی کیمپس کے تمام مکانات برباد کرنے کے بعد جب میرے مکان کی طرف رخ کیا تو دیر ہو چکی تھی۔ کسی نے کہا کہ اب دیر ہوگئی ہے کل اس مکان پر حملہ کریں گے۔ اس طرح وہ لڑکے اس رات چلے گئے۔ دوسرے دن یونیورسٹی کے لڑکوں نے کنونشن ہال میں ایک جلسہ کا انعقاد کیا اور اس میں مختلف مولویوں نے تقاریر کیں کہ یہ ایک احمدی گھر بچا ہوا ہے اور یہاں پر احمدی لوگ جمع ہو کر نماز جمعہ پڑھتے ہیں اس کو تباہ کرنا ہے۔ اتنے میں D.S.P صاحب میرے پاس آئے اور کہا کہ تم لوگوں کو کیا تکلیف ہے۔ میں نے کہا کہ کنونشن ہال میں جلسہ ہو رہا ہے اور ابھی لڑکے میرے گھر پر حملہ کریں گے۔ اس رات میری انتہائی نماز تراویح میں دعاؤں کے بعد میری زبان پر جاری ہوا کہ "انی احافظ کل من فی دار" یعنی جو بھی اس گھر میں ہے سب کی میں حفاظت کروں گا۔ D.S.P صاحب نے میرے گھر کے فون کو استعمال کیا اور S.P کو حالات سے باخبر کیا۔ S.P نے پولیس کی ایک بھاری فورس بھیج دی۔ جس کو پشین جماعت کے پاس رکھا۔ جونہی لڑکے کنونشن ہال سے نکلے وہ نعرے لگا رہے تھے کہ

ایک بڑے قادیانی کے گھر کو تباہ کرنا ہے۔پشین جماعت کے پاس پولیس نے ان پر لاٹھی چارج کیا اور ان کو منتشر کر دیا۔ان فسادات کے موقع پر اللہ تعالیٰ نے اوپر دی ہوئی بشارت کے ماتحت بالکل محفوظ رکھا۔الحمد للہ

اس کے بعد D. S. P صاحب نے چند پولیس کے سپاہی ہمارے مکان پر پہرہ کے لئے مقرر کئے۔وہ پولیس کے سپاہی کھانا بھی مانگتے تھے چائے بھی مانگتے تھے یہاں تک کہ شیو کے لئے ریزر بھی مانگتے تھے۔ چند دن بعد D.S.P صاحب پھر آئے۔ میں نے ان سے درخواست کی کہ آپ اپنا عملہ واپس لے لیں۔مجھ میں اتنی طاقت نہیں کہ ان کے لئے لنگر جاری کر دوں۔ان کے ساتھ ایک میجر صاحب بھی تھے انہوں نے کہا کہ فرنٹیئر کسٹڈی کیسی رہے گی۔ میں نے کہا کہ مجھے منظور ہے۔اس کے بعد فرنٹیئر کسٹڈی کے کچھ آدمی بمعہ ایک صوبیدار صاحب کے مقرر کئے گئے۔صوبیدار صاحب پاراچنار کے شیعہ تھے۔انہوں نے مجھے کہا کہ یہ لوگ ہمیں بھی کافر کہتے ہیں۔آپ غم نہ کریں۔یہ لوگ ہمیں ختم کرنے کے بعد آپ تک آسکتے ہیں۔انہوں نے ایک برین گن میرے مکان کی چھت پر لگائی جو سڑک کی طرف تھی۔ میرے مکان کو آنے والی سڑک کے دونوں طرف برین گن لگنا تھی کہ جو بھی آدمی میرے مکان کے پا

س سے گذرتا تو سپاہی کہتا ڈبل مارچ اور ان کو وہاں سے دوڑا کر بھگاتا۔ آخر گاؤں غریب آباد کے لوگ میرے پاس آئے اور کہا کہ ہم تو آپ کو مسلمان سمجھتے ہیں۔ مہربانی کر کے صوبیدار صاحب سے کہہ کر ہم پر اس شفقت کو بند کرائیں۔ ہم لوگ ان سپاہیوں کی وجہ سے سخت عذاب میں ہیں۔ یہ سب خدا تعالیٰ کا فضل و کرم تھا۔ ورنہ میرا گھر بوجہ جمعہ کی نماز پڑھنے کے سنٹر تھا اور غیر احمدیوں کے لئے میرا مکان سخت تکلیف کا باعث تھا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے جیسا کہ فرمایا تھا ہم سب کو محفوظ رکھا۔ الحمد لله.

ثم الحمدلله

1974ء میں یونیورسٹی کے امتحانات ہو رہے تھے۔ یونیورسٹی والوں نے شورش کی وجہ سے احمدیوں کے لئے بالا حصار قلعہ میں امتحان کا سنٹر بنایا۔ یونیورسٹی کے دو پروفیسر صاحبان احمدیہ مسجد سول کوارٹرز آئے اور احمدی طلباء کی لسٹ مانگنے لگے۔ ان سے گفتگو ہوئی تو ان میں سے ایک پروفیسر صاحب نے کہا کہ اس میں کیا شک ہے کہ آپ لوگ کافر ہیں۔ میں نے پروفیسر صاحب سے کہا کہ کافر نہ ماننے والے کو کہتے ہیں۔ ایک شخص آیا اس نے ماموریت کا دعویٰ کیا ہم نے مانا اور آپ نے انکار کیا۔ اب منکر آپ ہیں یا ہم ہیں۔ اس پر دوسرے پروفیسر صاحب نے کہا رہنے

دوخواہ مخواہ کی بحث شروع ہوگئی ہے۔ علمی لحاظ سے ہم منکر مرزا صاحب ہیں اور آپ لوگ اس کے مصدق ہیں۔ اس لحاظ سے ہم کافر مرزا صاحب ہیں۔

ہومیو پیتھک کلینک

اپنے گھر کے قریب غریب آباد میں میں نے ہومیو پیتھک کی دوکان کھولی اور دوکان کے ماتھے پر دوکان کا نام سلسلہ ہومیو پیتھک کلینک لکھا۔ کچھ عرصہ بعد انجائنا کے حملے بڑھ جانے کے بعد سے میں نے دوکان بند کردی۔ اس دکان میں ایک نائی آیا مگر اس نے دوکان کے ماتھے پر جو سلسلہ ہومیو پیتھک کلینک لکھا تھا اس کو نہیں مٹایا۔

دعوت الی اللہ کا ایک اور موقع

انجینئرنگ کالج کا ایک لڑکا حسین محمد ایک دن اس دوکاندار سے کہنے لگا کہ اوپر ہومیو پیتھک کلینک لکھا ہے اور اندر نائی کی دوکان ہے۔ یہ کیا ماجرا ہے۔ اس نے بتلایا کہ مجھ سے پہلے ایک قادیانی یہاں پر ہومیو پیتھک کلینک کا کام کرتا تھا اور وہ یہ کام چھوڑ کر چلا گیا ہے۔ اس لڑکے نے پوچھا کہ وہ قادیانی کہاں پر رہتے ہیں میں ان سے ملنا چاہتا ہوں۔ اس نے جواب دیا کہ مجھے اس قادیانی کے مکان کا علم نہیں ہے البتہ

ایک اور قادیانی بوڑھا کبھی کبھی حجامت بنوانے آتا ہے۔ اس لڑکے نے کہا کہ اچھا مجھے اس بوڑھے قادیانی سے ملاؤ۔ ایک دن میاں عبدالطیف صاحب حجامت بنوانے کے لئے اس نائی کی دوکان پر گئے تو نائی نے اشارہ سے اس لڑکے کو جو اتفاقاً وہاں پر موجود تھا بتایا کہ تمہارا آدمی جس سے تم ملنا چاہتے ہو یہ ہے۔ حجامت بننے کے بعد وہ لڑکا میاں عبدالطیف صاحب سے مخاطب ہوا کہ کیا آپ قادیانی ہیں۔ انہوں نے اثبات میں جواب دیا۔ اس نے کہا کہ میں قادیانیت کے متعلق کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔ میاں عبدالطیف صاحب نے کہا کہ میں بوڑھا آدمی ہوں میں تمہیں ایک دوست سے ملا دیتا ہوں وہ تم کو ہر قسم کا جواب دے گا۔ میاں صاحب حسین محمد کو میرے پاس لائے اور کہا کہ یہ احمدیت کے متعلق کچھ معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ میں نے حسین محمد سے کہا کہ تمہیں احمدیت کے متعلق کیا معلومات ہیں۔ اس نے کہا کہ مجھے بتلایا گیا ہے کہ ایک نیا مذہب ہے۔ یہ لوگ قرآن پر ایمان نہیں رکھتے بلکہ جو شخص بھی ان کے خلیفہ سے ملنا چاہتا ہے تو اوپر منزل پر خلیفہ رہتا ہے۔ ملنے والا شخص تیس سیڑھیاں چڑھ کر خلیفہ تک پہنچتا ہے اور ہر سیڑھی پر قرآن پاک کا ایک سپارہ لکھا ہوا ہے۔ جس پر خلیفہ سے ملنے والا اس سپارہ پر پیر رکھ کر آگے چڑھتا

ہے۔ دوسرا یہ کہ تم لوگوں نے ربوہ میں جنت دوزخ بنائی ہے اور حوریں رکھی ہوئی ہیں نیا احمدی بنانے کے لئے ان سے شادی کردی جاتی ہے اس طرح احمدی بننے والا پھنس جاتا ہے۔ میں نے کہا اور کچھ اس نے کہا کہ فی الحال میں نے یہی سنا ہے۔

میں نے جواب دیا کہ سب الزامات جھوٹے ہیں مثلاً قرآن پاک کے متعلق اس زمانہ میں جب کہ ضیاء الحق اسلام کو زندہ کرنے کا دعویٰ کرتا ہے۔ کیسے ہوسکتا ہے یا تو ضیاء الحق کی C.I.D اتنی کمزور ہے کہ وہ ضیاء الحق کو اس کی اطلاع نہیں دیتی یا پھر خلیفہ اتنا مضبوط اور زور آور ہے جس کے سامنے حکومت بھی لاچار ہے اور اگر حکومت لاچار ہو تو عوام الناس بھی لاچار ہے۔ میں نے کہا حقیقت یہ ہے کہ پیر قرآن پر نہیں پڑتا بلکہ قرآن کی حکومت ایک احمدی کے سر پر سوار ہے اور وہ اس کو قابل عمل صحیفہ سمجھتا ہے۔

دوسرے سوال کے متعلق میں نے کہا کہ تم نے سچ کہا وہاں پر جنت اور دوزخ ضرور ہے۔ جنت کے متعلق اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتا ہے کہ وہاں پر گناہ کا کوئی کام نہ ہوگا بلکہ ہر طرف سلامتی ہی سلامتی ہوگی اور میں نے قرآن پاک کی یہ آیت پیش کی۔ لا یسمعون فیھا لغوا ولا تاثیماً. الا قیلا سلماً وسلما (الاحقاف:25-24) میں

نے اس کو کہا کہ بھٹو صاحب نے اب ربوہ کو Open City قرار دیا ہے ہر شخص ربوہ جا سکتا ہے۔ اب وہاں پر تھانہ اور سب مجسٹریٹ کی عدالت بھی ہے۔ وہاں تھانہ میں جا کر پوچھیں کہ کیا ربوہ کے ساتھ کوئی ملحقہ علاقہ بھی ہے جو کہ شیعہ ہیں تو وہ آپ کو اثبات میں جواب دے گا۔ اس سے پوچھیں کہ اس تھانہ میں احمدیوں اور غیر احمدیوں کے جرائم کی نسبت کیا ہے تو وہ آپ کو بتلائے گا کہ احمدیوں کا کوئی کیس بھی نہیں ہے البتہ غیر احمدیوں کے جرائم سے یہ فائل پُر ہے۔

میں نے کہا پھر آپ ربوہ میں چلیں پھریں تو ہر طرف سے آپ کو السلام وعلیکم کی آوازیں آئیں گی اگرچہ وہ احمدی آپ کو جانتے بھی نہ ہونگے اس سے بڑھ کر آپ جنت کی اور کیا نشانی مانگتے ہیں۔ حوریں بھی ہیں۔ آپ بازار میں چلیں احمدی مستورات آپ کو نقاب پوش نظر آئیں گی کوئی بھی بغیر برقعے کے نہ ہوگی اور قرآن میں بھی لکھا ہے کہ حوریں مستور ہونگی۔

دوزخ بھی ہے۔ میں نے کہا کہ ربوہ میں اکثریت احمدیوں کی ہے مگر ریلوے اسٹیشن پر سرکاری زمین پر ختم نبوت والوں کی ایک مسجد ہے مقتدی تین چار اس کے ملازمین ہیں مگر وہاں کا ملا اپنے غیض وغضب کی

آگ میں ایسا جل رہا ہے کہ بے نقط گالیاں احمدیوں کو لاؤڈ سپیکر پر دیتا ہے اور احمدی کمال صبر و تحمل کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان گالیوں کو سن کر گذر جاتے ہیں۔

اس کے بعد حسین محمد انجینئرنگ ٹور پر کراچی گیا اور واپسی پر ربوہ چند دن ٹھہرا۔ ربوہ کے ماحول نے اس پر ایسا اثر کیا کہ اس کو مزید تحقیقات کی ضرورت محسوس ہوئی۔ کوئی چھ ماہ تک میں اس کو تبلیغ کرتا رہا اور بالآخر حسین محمد نے ہمت کر کے احمدیت میں داخل ہونے کا فیصلہ کر لیا۔ یہ لڑکا اپنے قبیلہ مہمند میں ایک اکیلا احمدی ہے اور اس کی خوب مخالفت ہو رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو استقامت عطا کرے۔

جلسہ سالانہ میں شمولیت اور ایک ایمان افروز واقعہ

پشاور سے بفضل تعالیٰ ہر سال قادیان جلسہ سالانہ پر جانے کا موقعہ ملتا رہا۔ ایک دفعہ ٹرین میں سفر کر رہے تھے۔ حضرت قاضی محمد یوسف صاحبؓ نے جو ابھی کھانا کھانے سے فارغ ہوئے تھے۔ پانی پینے کے لئے پانی مانگا۔ چاچا یوسف جو کہ ایک مخلص احمدی تھے۔ جب ریل گاڑی ایک اسٹیشن پر رکی تو فوراً جا کر برتن پانی سے بھر کر لایا۔ حضرت قاضی محمد یوسف صاحبؓ نے پوچھا۔ کونسا اسٹیشن ہے تو چاچا یوسف نے جواب دیا

کہ یہ گولڑہ اسٹیشن ہے۔ حضرت قاضی صاحبؓ نے پانی کا برتن نیچے دے
مارا اور فرمایا کہ اس زمین پر خدا کے مسیح نے لعنت بھیجی ہے۔ میں یہاں کا
پانی ہرگز نہیں پیوں گا اور اس طرح سے بغیر پانی پیئے پنڈی تک گئے۔
پنڈی میں چاچا یوسف اور پانی لایا تو حضرت قاضی صاحب نے نوش
فرمایا۔ بہت بڑی ایمانی کیفیت حضرت قاضی صاحبؓ نے دکھائی۔

چاچا یوسف کا واقعہ

جب بھی ہم جلسہ سالانہ پر پشاور سے قادیان جاتے تو چاچا
یوسف امرتسر اسٹیشن پر اتر کر غائب ہو جاتا تھا بعد میں آ کر ہم لوگوں کے
ساتھ شامل ہو جاتا تھا اور اسی طرح واپسی پر امرتسر اسٹیشن پر اتر جاتا اور بعد
میں دوسری ٹرین سے لاہور میں ہم لوگوں کو مل جاتا تھا۔ ایک دفعہ ہم نے
چاچا یوسف سے پوچھا کہ یہ کیا ماجرا ہے کہ تم ہر دفعہ غائب ہو جاتے ہو۔
اس پر اس نے اپنا قصہ سنایا کہ پشاور سے قادیان جاتے وقت میں تم لوگوں
سے جدا ہو کر سیدھا مولوی ثناء اللہ امرتسری کے پاس پہنچ جاتا تھا اور اس
کے دروازہ پر دستک دیتا۔ وہ اوپر بالا خانہ کی کھڑکی سے سر جھانک کر پوچھتا
کون ہو۔ میں جواب دیتا کہ میں یوسف پشاوری ہوں قادیان جلسہ پر
جا رہا ہوں اگر روکنا ہے تو روک لو۔ وہ اوپر سے جواب دیتا۔ جا خبیث گم

ہو جا۔ واپسی پر میں پھر مولوی صاحب موصوف کے دروازہ پر دستک دیتا۔ مولوی صاحب حسب معمول اوپر سے جواب دیتے۔ کون ہو۔ میں۔ مولوی صاحب پھر حسب معمول جواب دیتے۔ جا خبیث گم ہو جا۔ چاچا یوسف کا ہر سال یہی دستور رہتا۔

ایک دفعہ ہم ٹرین میں جلسہ سالانہ پر جانے کے لئے سفر کر رہے تھے کہ ایک شاہ صاحب سے چاچا یوسف بحث میں الجھ گئے۔ شاہ صاحب نے کہا کہ میں سید ہوں تم میرے نانا کا کلمہ نہ پڑھو۔ چاچا یوسف نے کہا کہ کیا ثبوت ہے کہ تم سید ہو۔ اصلی سید میں ہوں اگر تم میرے سید ہونے سے انکار کرو تو کافر ہو جاؤ۔ اس نے کہا کہ تمہارے سید ہونے کا ایسا کون ساز بردست ثبوت ہے۔ چاچا یوسف نے جواب دیا کہ میرے دادا آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نبی تھے۔ میں اس کی ذریت میں ہوں۔ اب تم میرے سید زادہ ہونے سے انکار تو کرو اور شاہ صاحب خاموش ہو گئے۔

ایک اور دفعہ ٹرین میں سفر کر رہے تھے۔ ایک غیر احمدی سے چاچا یوسف بحث کرنے لگے۔ اس غیر احمدی نے آخر میں کہا کہ میرا باپ احمدی تھا شکر ہے کہ میں احمدی نہیں ہوں۔ اس پر چاچا یوسف نے کہا کہ میرا باپ غیر احمدی تھا مگر شکر ہے کہ میں احمدی ہوں۔ ''آؤ پیو وٹا لیئے'' آؤ باپ

بدل لیتے ہیں۔ میرا باپ تم لے لو اور اپنا سارا احمدی باپ مجھے دے دو۔
اس پر ساری گاڑی کشت زعفران ہوگئی۔

چاچا یوسف غیر مبائین کے لئے ایک برہنہ تلوار تھے۔ انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتابوں کے حوالے صفحے کے صفحے یاد کر لئے تھے اور حضرت قاضی محمد یوسفؓ کے اشعار غیر مبائین کے بارہ میں زبانی یاد کئے ہوئے تھے اور آخر پر جہاں یوسف کا نام آتا تو اپنی طرف اشارہ کر کے کہتے کہ میں یوسف تخلص کہتا ہوں۔

ایک دفعہ حضور سے ملاقات کے وقت چاچا یوسف نے کہا کہ میں حضرت صاحب کو حضور کے حوالے سنانا چاہتا ہوں۔ اس پر قاضی صاحب نے اس کو کہا۔ خاموش ہو جاؤ۔ حضرت مصلح موعودؓ کی نظر ان پر پڑی اور فرمایا کہ یہ کیا کہتے ہیں۔ جب قاضی صاحب نے چاچا یوسف کے مدعا کا ذکر کیا تو حضور نے فرمایا اچھا سنائیں۔ اس پر چاچا یوسف حضرت صاحب کے حوالے نبوت وغیرہ کے متعلق زبانی سنانے لگے۔ جب کافی دیر ہوگئی تو حضرت قاضی صاحب نے فرمایا اور بس کرو۔ تو پنجابی یا پشاوری زبان میں کہتے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرزند ہو کر حضور مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام نہیں سنیں گے۔ اس پر حضور ہنس دیئے اور قاضی صاحب نے ان کو خاموش کر دیا۔

"یہ کتاب ہر احمدی کے گھر میں خواندہ ہو یا ناخواندہ ہونی چاہیے"

المصلح الموعود

مصنف: حضرت شیخ یعقوب علی عرفانیؓ

Abdul Salam Khan